حدیث نبوی کی تدوین و حفاظت

دیباچہ
صحیفہ ھمام بن منبہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ☆

اللہ کا پیام اس کے بندوں تک بہت سے پیغمبروں نے پہنچایا مگر بدبخت انسان عموماً برادر کشی کے جذبے میں اس کو نیست و نابود کرتا رہا۔صحف آدم و شیث و نوح تو بہت دور ہیں'' صحف ابراہیم'' بھی جن کا قرآن مجید (سورہ نمبر ۸۷ آیت نمبر ۱۹) میں ذکر ہے، اب کہاں ہیں؟ اسی بدبخت انسان نے تورات موسیٰ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ اس کے سارے نسخے تباہ کر دیے زبانی یاد سے اس کے کچھ حصوں کا اعادہ ہوا تو کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ اور اسے یہی مصیبت اٹھانی پڑی ہمارے پاس اب تیسری مرتبہ کا نسخہ ہے[1] اور جیسا ہے اس سے سب واقف ہیں۔

تالمود، مشنا اور ہگادا، وغیرہ کے نام سے یہودی احبار نے بعد کے زمانوں میں جو چیزیں لکھیں ان کے '' اصر و اغلال''(قیدوبند) کی شدت سے خدائے رحمان کو اپنے بندوں پر پھر ترس آیا اور حضرت عیسیٰ پیام محبت و مرحمت لے کر مبعوث ہوئے۔ انسان نے آپ کو تین چار سال بھی چین سے پرچار کا موقع نہ دیا ۔ آپ وعظ ضرور کرتے رہے لیکن روپوشی کی دائمی ضرورتوں، اور امت کے اجڈپن سے اس کا موقع کہاں کہ اپنی انجیل کا املاء کراتے یا اپنے مواعظ کے قلمبند ہونے کا انتظام کرتے۔ آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں وغیرہ نے عرصہ بعد اپنی یادداشتیں مرتب کیں۔ ایسی ہر یادداشت انجیل (یعنی بشارت و خوش خبری) کے نام سے موسوم ہوئی، ان انجیلوں کی تعداد بھی کثیر ہو گئی اور ان کے آپس کے اختلافات بھی شدید ہو گئے تو ان میں سے چار کا کسی نہ کسی طرح انتخاب کیا گیا[2]۔ مستند انجیلیں قرآن سے زیادہ کتب سیرت و حدیث سے مشابہت رکھتی ہیں یعنی صحابہ و تابعین اپنے نبی کے متعلق اپنے معلومات نیز موقع بموقع خود نبی کے ملفوظات کو جمع کرتے ہیں لیکن ان کی قدروقیمت کی یہاں جانچ کا موقع نہیں ہے۔ صرف

☆ ماخوذ: صحیفہ ھمام ابن منبہ، مطبوعہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ معظم جاہی مارکیٹ، حیدرآباد، دکن (۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء)

اس بات کی طرف اشارہ کافی ہو گا کہ ان انجیلوں میں کہیں عقیدہ تثلیث کا ذکر نہیں بلکہ تورات موسیٰ کی توثیق اور وحدانیت ربانی کی ہی تعلیم ہے لیکن آج نصرانیت اور تثلیث لازم و ملزوم ہوگئے ہیں۔

سنت اللہ کے مطابق پھر ایک اور قوم کا کلام ربانی کی تبلیغ و حفاظت کے لیے انتخاب ہوا۔ یہ عرب تھے مگر کیسے؟

امی عرب

سامی نسل کے چند قبیلے صحرائی اور ریتلے براعظم عرب میں رہتے تھے ۔ کچھ ساحلی رقبہ کو چھوڑ کر، یہ زیادہ تر خانہ بدوش لوگ تھے ان کے وطن میں پانی کی کمی کیا تھی کہ وسائل تمدن ناپید تھے جس زمانے میں بین الممالک تجارت محض تبادلہ اشیاء پر منحصر ہو اور عرب میں نہ تو زرعی اور نہ کوئی اور قدرتی ثروت ہو تو وہاں کے تمدن کی ترقی جتنی سست رہ سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔

چنانچہ علم اور تدوین علم کے سلسلے میں حروف تہجی کے استعمال کی ضرورت تھی۔ان کی زبان میں اعراب کو چھوڑ دیں تو اٹھائیس آوازیں یا حروف صحیح تھے۔کسی زمانہ میں انہوں نے کہتے ہیں کہ حیرہ (حالیہ کوفہ۔عراق) والوں سے لکھنا سیکھا[۳] اور ان کے حروف تہجی کو اپنی زبان کے لیے استعمال کیا۔ یہ وہی حروف تہجی ہیں جن میں بعض دیگر اقوام کی طرف اب ہم اور عرب ہر دو اپنی زبانیں لکھتے ہیں۔لیکن اسلام سے پہلے اس خط کی کیا حالت تھی؟ دوسری تمام کوتاہیوں کو چھوڑ بھی دیں تو محض یہ امر کہ اس میں زبر، زیر کا اعراب تو کیا حروف کے نقطے بھی نہ تھے۔ ابجد ہوز کے اٹھائیس حروف میں سے لفظ کے شروع میں (ب، ت، ث، ن، ی)، (ج،ح،خ)، (د،ذ)،(ر،ز)، س ، ش)(ص، ض)، (ط، ظ)، (ع، غ) ، (ف،ق)، میں آپس میں کوئی فرق نہ تھا۔ اور ہر چیز محض اٹکل پر پڑھی جاتی تھی۔ اس پر عربی زبان کی زرخیزی واقعی روشنی طبع کیا تھی بلائے جان تھی۔ ایک معمولی مثال لیجئے (فیل) اسے فیل(ہاتھی) پڑھیں قیل (کہا گیا) قبل (پہلے) قتل)، (جان سے مار ڈالا) یا فتل (رسی بٹنا)؟ بعض وقت کسی جملے میں سیاق و سباق ایک سے زیادہ متبادل صورتوں کا امکان رکھتا ہے۔

دوسری مصیبت یہ تھی کہ بدویت اور روز گار کی دشواری سے اس کا موقع کہاں تھا۔کہ لوگ لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کریں؟ اور توجہ کریں بھی تو کیا لکھیں اور کیا پڑھیں کہ علمی تحقیق و ترقی کا ملک کو نہ موقع ملا تھا۔ اور نہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ بڑے سے بڑے حضری مرکز ،بستی اور شہر میں بھی، جہاں تاجر اپنے وصول طلب قرضوں کی یادداشت لکھتے ہوں گے پندرہ بیس آدمیوں سے زیادہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ کچھ اندازہ ان مثالوں سے ہو گا۔

تقریباً ۷ھ میں جو اثا (مشرقی عرب، علاقہ الحساء) جیسے بڑے مقام پر رسول اکرم ﷺ نے ایک تبلیغی خط بھیجا تو راوی کہتے ہیں کہ سارے علاقے اور قبیلہ میں ایک شخص بھی نہ تھا جو خط کو پڑھ سکے۔ لوگ تلاش اور انتظار کرتے رہے تاآں کہ ایک بچہ ملا جس نے خط پڑھ کر سنایا(۴)۔ تقریباً اسی زمانے یا کچھ بعد کا واقعہ ہے کہ النّمر بن تَوْلَب مسلمان ہوئے یہ ایک بڑے قبیلے کے سردار تھے اور اتنے بڑے شاعر کہ ان کی نظموں کا ایک دیوان تیار ہوا ہے انہیں ان کے قبیلہ عکل (یمن) کا سردار مامور کر کے ایک تحریری پروانہ بارگاہ رسالت سے عطا ہوا ۔ بازار میں آ کر یہ پوچھنے لگے کیا آپ لوگوں میں کسی کو پڑھنا آتا ہے؟ یہ خط پڑھ کر مجھے سنایئے(۵)۔

عہد اسلام میں عربوں کی تیز گام علمی ترقی

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ زمانہ جاہلیت میں باشندگان عرب نے لکھنے پڑھنے اور اپنے معلومات کی تدوین کرنے کی طرف اتنی توجہ نہ کی جتنی اسلام قبول کرنے کے بعد ۔ لیکن حیرت اس پر ہوتی ہے کہ ان کی امیت و جاہلیت کے اور ہر قسم کے علوم و فنون سے ان کے والہانہ اعتناء کے درمیان زمانہ اتنا مختصر ہے کہ پرانی تاریخ عالم میں اتنی تیز علمی ترقی کی کوئی اور مثال نہیں ملتی ۔ کہتے ہیں کہ بعثت نبوی کے وقت شہر مکہ میں سولہ سترہ سے زیادہ آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے(۶)۔ شہر مدینہ میں تو اس سے بھی کم عرب یہ فن جانتے تھے، لیکن دوسری صدی ہجری ہی سے عربی زبان علمی نقطہ نظر سے دنیا کی متمول ترین زبانوں میں شامل ہوگئی تھی یہ کیسے ہوا؟

اسلامی مملکت کا آغاز ۶۲۲ء میں ہوا، جب کہ پیغمبر اسلام ہجرت کر کے مدینہ جا بسے۔ مگر اس وقت وہ ایک چھوٹے سے شہر کے بھی صرف چند حصوں پر مشتمل تھی کیونکہ باقی مدینہ، یہودیوں یا تاحال اسلام نہ لائے ہوئے عربوں کے قبضے میں تھا۔اس زمانے میں جزیرہ نمائے عرب میں سینکڑوں قبیلے کیا تھے کہ حقیقت میں سینکڑوں ہی خود مختار مملکتیں تھیں جن میں ہر ایک دوسرے سے مکمل آزاد تھی۔ ۶ھ کے اواخر میں، جب مسلمانوں اور مکہ والوں میں صلح ہوئی تو اس وقت تک بھی یہ اسلامی مملکت چند سو مربع میل سے زیادہ رقبے پر مشتمل نہ ہو سکی تھی(۷)۔ لیکن اس کے بعد پانچ سال بھی نہیں گزرے تھے کہ جب ۱۱ھ میں رسول اکرمؐ کی وفات ہوئی تو اسلامی مملکت تقریباً دس لاکھ مربع میل علاقے (پورے عرب اور جنوبی فلسطین) پر پھیل چکی تھی۔ اس پر مشکل سے پندرہ سال گزرے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں، ایک طرف طبری(۸) کے مطابق سارے شمالی افریقہ سے گزر کر اسلامی فوجیں اندلس میں داخل ہو چکی تھیں، تو دوسری طرف بلاذری(۹) کے مطابق وہ

دریائے جیحون(Oxus) کو عبور کر کے ماوراالنہر یعنی چین میں گھس گئی تھیں۔ اس کی توثیق ہمعصر چینی تاریخوں سے بھی ہوتی ہے[۱۰]۔ جنوب میں یہ لشکر خود حضرت عمرؓ کی خلافت میں تھانہ (بمبئی یا گجرات) اور دیبل (تھٹہ قریب کراچی) تک[۱۱] اور شمال میں آرمیلیا اور اس سے بھی آگے تک پہنچ چکے تھے[۱۲]۔

یہ وہ زمانہ ہے جب مسلمان عرب اپنے حریفوں سے نہ تعداد میں اور نہ ہی سازوسامان میں کوئی نسبت رکھتے تھے۔اسی طرح بیزنطینی (رومیوں) اور ایرانیوں میں، جن سے انہیں سابقہ پڑا تھا خود فنون حرب و قتال جس بلند درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس کا بیچارے بدویوں کی حالت سے مقابلہ کرنے کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ مزید برآں یہ مسلمان عرب اپنے گھروں اور خیموں سے کسی لوٹ مار یا زمانہ جاہلیت کی غارت گری کے لیے بالکل نہیں نکلے تھے۔ بلکہ صرف اس لیے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو(لتکون کلمة الله هی العلیا).

اصل میں ان کی جبلی صلاحتیں اور اسلامی تربیت ہی اس بات کی ذمہ دار تھیں کہ اس نتیجے تک پہنچیں ۔ ان کے لیے فتوحات سیف ہوں کہ فتوحات قلم، دونوں ایک ہی چیز کے دو پہلو، اور ایک ہی باعث و داعیہ کے دو مظاہر تھے۔ ہمارے کرم فرماؤں کو اس کا یقین نہیں آتا۔ اگر فتوحات سیف میں خود ان کے مقبوضات ہاتھ سے نہ گئے ہوتے تو شاید محض اسلامی تاریخوں میں اس کا ذکر دیکھ کر اس کے وجود سے بھی اسی طرح انکار کر بیٹھتے جس طرح فتوحات قلم کے متعلق ان کا رویہ ہے۔

یہاں ہمیں آغاز اسلام کی شمشیر زنی (اور جسم انسانی کے عمل جراحی) اور اس کے ارتقاء سے بحث نہیں، ہم اس دور کی قلم آرائی(اور ذہن انسانی کی تربیت و اصلاح) پر اکتفا کریں گے۔

پیغمبر اسلام کی تعلیمی سیاست

سب جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ اُمی تھے، قرآن شہادت دیتا ہے کہ آپ کو نہ پڑھنا آتا تھا، نہ لکھنا:

"وَمَا كُنتَ تَتلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ"

(سورہ ۲۹، آیت ۴۸)

اس سے پہلے نہ تو تُو کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ اسے اپنے سیدھے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے۔

یہ کتنا ولولہ انگیز امر ہے کہ نبی اُمی کو سب سے پہلے جو وحی ربانی ہوئی وہ لکھنے کی تعریف اور پڑھنے کے حکم ہی پر مشتمل تھی۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق. اِقرأ و ربک الاکرم. الذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم.

(سورہ ۹۶ آیت ۱ تا۵)

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے قطرے سے پیدا کیا۔ پڑھ کہ تیرا بزرگ و برتر رب وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

یہاں ''اقرأ'' کے معنے پڑھنے ہی کے ہو سکتے ہیں، معمولی پیام پہنچانے کے نہیں(جیسے محاورہ یقرئک السلام میں ہوتے ہیں) کیونکہ سیاق عبارت میں قلم کی تعریف اور اس کے ذریعہ علم ہونے کا ذکر ہے۔ غرض نبی اُمی ﷺ نے امت کو اللہ کا جو پہلا حکم پہنچایا- اور جس کی عمر بھر تعمیل کرائی- وہ پڑھنے اور لکھنے ہی کے متعلق تھا(۱۳)۔ اور آپؐ جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔

فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ

(سورہ ۶۲ آیت ۲)

یعنی اُمیوں میں انہی میں سے ایک رسول تھے جو ان پر اس یعنی خدا کی آیتیں تلاوت فرماتے ان کو تزکیہ نفس سکھاتے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے۔

اسی طرح آپ وقتاً فوقتاً نازل ہونے والی آیتوں اور سورتوں کے فوراً لکھانے کا انتظام فرماتے، جو تزکیہ اخلاق اور تعلیم ذہنی پر مستزاد تھا۔

مگر ہم وطنوں نے آپ کی بات کم مانی، اور آپؐ کو نیز آپؐ کے ساتھیوں کو جو خدا کی راہ میں ساتھ دے رہے تھے طرح طرح سے ستانا شروع کیا(۱۴)۔ جب اذیت کا پانی سر سے اونچا ہو گیا، تو جو لوگ ہجرت کر سکتے تھے، گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور آخر آپؐ بھی ان سے جا ملے اور وہاں امت کی سیاسی تنظیم و تشکیل شروع فرمائی۔ ہجرت کے بعد جو سورۂ سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سورہ بقرہ ہے اور اسی میں مشہور آیت مدانیہ(اصول قرض دہی) بھی ہے:

یآ ایھا الذین اٰمنوا اذاتداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ--- واستشھد وا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرَاَتٰنِ...... ولاتسئموآ ان تکتبوہ صغیراً

او کبیرًا الی اجله.

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہیں جب تم آپس میں کوئی قرض دہی کسی معینہ مدت کے لیے کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کی شہادت حاصل کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ...... اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مدت تک۔

ذَالِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰی اَلَّاتَرْتَابُوْا الایة

(قرآن سورہ ۲ آیت ۲۸۲)

یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کے لیے زیادہ سیدھی اور مضبوط، اور اس بات سے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔

اس آیت کے نازل ہونے سے لکھنے پڑھنے پر توجہ بڑھ ہی گئی ہو گی(۱۵)۔

لکھنے پڑھنے کی عام ترویج کا انتظام

مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ اس عمارت کے ایک حصے میں سائبان اور چبوترہ (صُفہ) بنایا گیا۔ یہ اوّلین اسلامی اقامتی جامعہ تھی۔ رات کو طلبہ اس میں سوتے، اور اساتذہ مامور کئے گئے جو دن کو انہیں وہاں لکھنے پڑھنے اور مسائل دین وغیرہ کی تعلیم دیتے، چنانچہ عبداللہ بن سعید بن العاصؓ جو خوشخط تھے، اور زمانہ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے، انہیں وہاں لکھنا سکھاتے(۱۶)۔ اسی طرح عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے کہ انہیں رسول اکرمؐ نے اس بات پر مامور کیا کہ صفہ میں لوگوں کو لکھنا سکھائیں اور قرآن پڑھائیں(۱۷)۔ مدینہ میں ۲ھ میں ایک اور اقامتی درسگاہ دارالقراء کا بھی پتہ چلتا ہے(۱۸)۔ جو مخرمہ بن نوفل کے مکان میں قائم ہوئی تھی۔

ہجرت پر مشکل سے ایک سال گزرا تھا کہ رمضان ۲ھ میں بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں دشمن کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی(۱۹)۔ پھر بھی یہ کامیاب رہے اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ ان اسیروں سے جو برتاؤ کیا گیا اس پر آدمی سر دھننے پر مجبور ہو جاتا ہے، چنانچہ دشمن کی رہائی کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہو وہ دس دس مسلمان بچوں کو اس فن کی تعلیم دے(۲۰)۔ کیوں نہ ہو کہ نبیُ الملحمة(۲۱) ساتھ ہی ''مدینۃ العلم''(۲۲) بھی تھا۔ بعض دقیقہ رس محدثوں نے اس واقعہ کا خوب عنوان باندھا ہے۔ ''مشرک کو استاد بنانے کا جواز'' یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ تعلیم

پھیلانے کے متعلق مستقل سیاست ہی کی پیش رفت و تکمیل تھی۔

رسول کریم ﷺ اکثر فرمایا کرتے: "بُعِثتُ مُعَلِّماً"(۲۳) (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ اسی طرح آپ بچوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ اپنے پڑوسیوں سے علم سیکھیں(۲۴)۔ اور اپنے پڑوس کی مسجد میں سبق پڑھا کریں(۲۵)۔ مورخ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ عہد نبوی میں مدینہ میں نو مسجدیں تھیں(۲۶)، پنج وقتہ نمازیں لوگ وہیں پڑھتے لیکن نماز جمعہ کے لئے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں جمع ہو جاتے۔ مورخ بیان کرتے ہیں کہ اہل جو اثانے (جو بحرین یعنی موجودہ الحسا میں ہے) ایک مسجد کی تعمیر کی جو مدینہ کی مسجد کے بعد پہلی جامع مسجد تھی۔ اصل میں آں حضرت ﷺ نے انہیں لکھ بھیجا تھا کہ "فلاں فلاں جگہ مسجد بناؤ--- اور ایک روایت میں مسجد بناؤ اور فلاں فلاں کام کرو--- ورنہ میں تم سے جنگ کروں گا(۲۷)۔ یقیناً یہاں بھی درس و تدریس کا انتظام ہوا ہوگا۔

اسی طرح جب عمرو بن حزمؓ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا گیا تو انہیں فرائض منصبی کے متعلق ایک تحریری ہدایت نامہ دیا گیا، اس میں انتظامی امور کے علاوہ تعلیم کی اشاعت کے بھی احکام ہیں(۲۸)۔

مورخ طبری نے ۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو ناظر تعلیمات بنا کر یمن بھیجا، جہاں وہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں دورہ کیا کرتے اور مدارس کی نگرانی و انتظام کرتے(۲۹)۔

مرد ہی نہیں، عورتیں بھی اس تعلیمی سیاست کا موضوع تھیں، آنحضرت ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن عورتوں کی تعلیم و تذکیر کے لئے مخصوص فرما رکھا تھا(۳۰)۔ نیز ابوداؤد(۳۱) و عبدالرزاق(۳۲) کی حدیث ہے کہ ام المومنین حفصہؓ نے آں حضرت ﷺ کے علم و اجازت سے اپنی ایک رشتہ دار خاتون شفا بنت عبداللہ سے (جو خوب پڑھی لکھی تھیں)، لکھنا سیکھا تھا۔ یہاں اس پہلو کو طول دینے کی ضرورت نہیں، سوائے اس کے کہ زنانہ تعلیم پر اس توجہ کا ہی نتیجہ تھا کہ بعد کے زمانے میں عورتیں مختلف علمی میدانوں میں مردوں کے ساتھ مسابقت کرنے لگیں۔ چنانچہ زیر اشاعت صحیفہ ہمام کے مخطوطۂ دمشق کے سماعات میں (جو آگے اپنی جگہ درج ہیں) ایک معلمہ کا بھی تذکرہ ہے یعنی ام الفضل کریمہ بنت ابی الفراس نجم الدین القرشیہ الزبیریہ، جس نے اپنے گھر میں ایک مدرسہ حدیث کھول رکھا تھا۔ اسی طرح ابوعبید قاسم بن سلام (۱۵۴ھ تا ۲۲۴ھ) کی کتاب الاموال، جو مالیہ حکومت (فینانس) کے دقیق مسائل پر مشتمل ہے، بسم اللہ کے بعد ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے (یہ کتاب اب مصر میں

چھپ گئی ہے)۔

قُرِی علی الشیخة الصالحة الکاتبة، فخرالنساء شهدة بنت ابی نصر احمد بن الفرج بن عمر الابری الدینوری بمنزلها ببغداد.

نکو کار و خوش نویس پروفیسر فخر النساء شھدۃ کو (جو سوزن ساز یعنی سوی بنانے والے، ابونصر احمد بن الفرج بن عمر دینوری کی دختر ہیں) بغداد میں ان کے گھر پر سُنا کر سند حاصل کی گئی۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہوں تو حدیث یا رجال کی کتابیں دیکھ لی جائیں جن میں راویوں کے ناموں میں عہد صحابہ و تابعین و تبع تابعین کی خادماتِ علم کے نام کثرت سے مل جائیں گے۔

دربار نبوی کے کاتب

مدنی دور میں انتظامی اور سیاسی ضرورت سے خط و کتابت کا کام روز افزوں ہی ہوتا گیا، ناگزیر طور پر کاتبوں اور منشیوں کی ضرورت بھی بڑھتی ہی چلی گئی تاکہ اضلاع کے عہدہ داروں کے پاس سے آئے ہوئے خطوط کا فوری جواب دیا جائے، نیز خود مرکز سے ضروری ہدایتیں بروقت ہر جگہ بھیجی جائیں۔ اگر ہجرت جیسے مخفی اور جان جوکھم کے وقت بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ دوات، قلم اور کاغذ رہتا ہے (جیسا کہ سُراقہ بن مالک کو پروانہ امن لکھ دینے سے واضح ہے) تو بعد کے زمانہ میں کاتبوں کی تعداد کا بڑھ جانا، اور ان کا مستقل طور سے ایک کام انجام دیا کرنا کسی تعجب کا باعث نہیں ہونا چاہئے۔ واقعہ یہ ہے کہ بکثرت مورخوں نے آنحضرت ﷺ کے کاتبوں کی فہرست کے لئے مستقل باب ہی قائم کئے ہیں(۴۳)۔ بعض نے تو اس پر مختصر رسالے بھی تصنیف کئے ہیں(۴۴)۔ بہرحال اس خدمت کو مستقل طور سے یا کبھی کبھار انجام دینے والے (۴۳) صحابہ کے نام بیان کئے گئے ہیں۔ کوئی تعجب نہ ہو جو بعض نئی نازل ہونے والی وحی کو لکھتے بعض سرکاری مراسلوں کا مسودہ مرتب کر کے جناب رسالت ﷺ میں پیش کرتے۔ بعض زکوٰۃ اور محاصل کے حسابات لکھتے، بعض مال غنیمت کی رجسٹری اور تقسیم کا متعلقہ کام انجام دیتے، بعض بیرونی حکمرانوں اور قبائل کے سرداروں کے نام خط لکھتے، بعض فصل کے کٹنے سے پہلے تخمینہ (خرص) نوٹ کرتے، جیسا کہ مورخ مسعودی(۴۵) نے خاص کر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ زید بن ثابتؓ نے آں حضرت ﷺ کے حکم سے عبرانی خط بھی سیکھا تھا کیوں کہ عرب کے یہودی بولتے تو عربی زبان تھے لیکن لکھتے عبرانی خط میں تھے اور آنحضرت سے

معاہدات یا مراسلات میں اسی خط کو استعمال کرتے تھے۔ مسعودی[۳۶] کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ فارسی، یونانی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی جانتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے مترجم کا کام انجام دیتے تھے۔

سرکاری مہر

۶ھ کے اواخر سے سرکاری مراسلوں پر مہر کا بھی پتہ چلتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری[۳۷] میں روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بیرونی حکمرانوں کو خط لکھ کر تبلیغ کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ صرف مہر شدہ مکتوب ہی کو درخور ملاحظہ سمجھتے ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، راوی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں اس کی سفیدی گویا اب بھی رسول اللہ کے ہاتھ میں دیکھ رہا ہوں یہ کہ اس پر "محمد رسول اللہ" تین لفظ کندہ تھے اور یہ کہ اس انگوٹھی کا نگینہ حبشی عقیق کے پتھر کا تھا۔

تدوین حدیث

تعلیم کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی عام سیاست[۳۸] کے جو اثرات پیدا ہوئے، یہ ان کے چند نمونے اور مثالیں ہیں۔ لیکن ہمیں تدوین حدیث کے مسئلے سے ہی یہاں خاص بحث ہے۔ حدیث یعنی حدیث نبوی میں رسول اکرم ﷺ کے اقوال، افعال و تقریرات (یعنی کسی صحابی کو کچھ کرتے دیکھ کر اسے روا اور برقرار رکھنا) تینوں شامل ہیں۔ انہیں کا تذکرہ حدیث کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کتابوں کی تالیف کا آغاز کب ہوا؟ اور موجودہ مروجہ کتابوں پر کوئی غیر جانبدار شخص کس حد تک اعتماد کر سکتا ہے۔ واضح رہے کہ زیر اشاعت صحیفہ ہمام بھی حدیث ہی کی ایک تالیف ہے۔

بدیہی طور پر یہ ایک محال بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جو کچھ کہا، یا اوروں میں روا رکھا، یہ سب کا سب لکھا اور مدوّن کیا گیا ہو۔ یہ انسانوں کا نہیں فرشتوں کا کام ہے:

"كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (سورہ ۸۲، آیت ۱۱)

(یعنی تم جو کرتے ہو، اسے شریف، لکھنے والے فرشتے خوب جانتے ہیں)

اسی طرح یہ بدگمانی بھی بے بنیاد ہے کہ عہد نبوی میں کچھ لکھا ہی نہیں گیا، کیوں کہ واقعات اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ آگے نظر آئے گا۔ بہرحال اسی امی امت نے اپنے نبی کی جو حدیثیں اپنی آنکھ دیکھی اور کان سنی باتوں کی بناء پر لکھی ہیں وہ اس سے کہیں بڑھا چڑھا ہے جو دوسری امتوں

نے اپنے انبیاء کے متعلق بروقت لکھا ہو بالکل اسی طرح جس طرح یہ امی امت دوسروں پر اپنے آغاز کار ہی میں فتوحات ملکی اور دور دراز براعظموں میں دین کی نشر و اشاعت کے بارے میں بھی غیر معمولی فوقیت رکھتی ہے۔

لیکن نہ محض خوش اعتقادی کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی حرج کہ کسی جویائے حق کی طرح آغاز شک اور ''معلوم نہیں'' سے کریں اور سوائے ایسی چیز کہ جس سے انکار کی مجال نہ رہے کسی بات کو نہ مانیں۔

ہم اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ اس زمانے میں غریب عربی خط کا کیا حال تھا، اور عربوں میں لکھنا پڑھنا جاننے والوں کی تعداد کتنی تھی جب ''سیکھو اور سکھاؤ'' کا حکم نبی کریم ﷺ نے اپنے پیروؤں کو دیا تو ان اُمیوں لیکن مخلص و مستعد فداکاروں کے لئے چیلنج تھا اب ہم دیکھیں گے کہ وہ اس سے کس طرح عہد برا ہوئے۔

عہد نبوی میں سرکاری طور پر لکھی ہوئی حدیثیں

(الف) جب مکی مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے تو انہوں نے وہاں ایک حکومت اور شہری مملکت کی بنیاد بھی رکھی۔ رسول اکرم ﷺ نے وہاں کے سب باشندوں یعنی مہاجرین، انصار، یہود، تاحال اسلام نہ لائے ہوئے عربوں وغیرہ سے مشورہ کیا اور ایک دستور مملکت نافذ فرمایا۔ یہ تاریخ عالم میں سب سے پہلا ''تحریری دستور مملکت''(۳۹) ہے۔ اس میں حاکم و محکوم دونوں کے حقوق و واجبات کی تفصیل ہے اور ابتداء یوں ہوئی ہے: ''پیغمبر محمد رسول اللہ کی یہ ایک تحریر ہے جو قریش اور یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں اور ان لوگوں کے درمیان (موثر) ہے جو ان (مسلمانوں) کے تابع ہوں، ان سے آملیں اور جنگ میں ان کے ساتھ حصہ لیں، یہ حقیقت میں (دنیا کے) سارے لوگوں سے علیحدہ ایک مستقل امت ہیں--- وغیرہ۔ یہاں ''یہ ایک تحریر ہے'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ضرور ہے کہ یہ کوئی لکھی ہوئی تحریری چیز ہو(۴۰)۔ باون دفعات کے اس دستور میں نفس متن میں پانچ مرتبہ ''اہل ہذا الصحیفہ'' (اس دستاویز والوں) کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یہ کتاب ''یعنی تحریر'' کسی ظالم یا گناہ گار کے برخلاف حائل نہیں ہوگی''۔ یہ بھی کہا ہے کہ ''یثرب کا میدان (جوف) اس صحیفے والوں کے حق میں ایک حرم ہے''۔ اگرچہ نفس دستور میں اس یثربی حرم یعنی شہرت مملکت کے حدود کی تفصیل نہیں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ذیلی قواعد کے طور پر اس کو بھی تحریری طور پر منضبط کیا گیا تھا۔ چنانچہ امام احمد ابن حنبلؒ نے اپنی مسند(۴۱) میں روایت کی ہے۔

عن رافع بن خدیج--- فَإِنَّ الْمَدِيْنَةَ حَرَمٌ حرَّمها رَسُوْل اللّٰهِ صَلیّٰ اللّٰه عَلَیهِ وَسَلَّم. وهو مَکْتُوبٌ عِنْدَنَا فِی اَدِیم خولانی.

رافع بن خدیج سے مروی ہے--- کہ مدینہ ایک حرم ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا ہے اور یہ ہمارے پاس ایک خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔

جہاں سیاسی نقطہ نظر سے حدود مملکت اور رقبۂ سلطنت کا تعین ضروری خیال کیا گیا، وہیں عملی نقطۂ نگاہ سے سرحد اندازی بھی لازم تھی، چنانچہ مطری نے اپنی تاریخ مدینہ (ما انستِ الھجرۃ مِنْ معالم دارالھجرۃ) میں تصریح کی ہے(۴۲)۔ کہ کعب بن مالک کہتے ہیں: ''مجھے رسول اللہ نے بھیجا کہ مخیص، حفیا، ذوالعشیرہ اور تیم (کے پہاڑوں) کی چوٹیوں پر علامت سرحد کے ستون یا منارے تعمیر کروں''۔

(ب) اسی طرح ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

اُکْتُبُوْا لِی من تَلَفَّظَ بِالْاِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ. فَکَتَبْنَا له اَلْفًا وَخَمْسَ مأة رَجُلٍ(۴۳)

مجھے ان لوگوں کے نام لکھ دو جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ اس پر ہم نے آپ کے لئے پندرہ سو آدمیوں کے نام لکھ دیئے۔

اس میں مرد، عورت، بچے اور بڑے سب شامل معلوم ہوتے ہیں، یہ مردم شماری تحریری طور سے ہونا بیان کی گئی ہے۔ تعداد سے گمان ہوتا ہے کہ یہ ۱ھ کا واقعہ ہوگا۔

(ج) سرکاری دستاویزوں اور معاہدوں، پروانوں کا آغاز ہجرت سے بھی پہلے ہو چکا ہوتا نظر آتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں(۴۴) کہ تمیم داری کو ہجرت سے بھی پہلے فلسطین کا شہر حبرون ایک پروانہ کے ذریعے سے یہ کہہ کر جاگیر میں دیا گیا کہ جب یہ شہر خدا کی عنایت سے فتح ہو تو وہ تمہارا ہے، اسی طرح خود سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک مدلجی کو ایک پروانہ امن لکھ کر دیا گیا تھا(۴۵)۔ ان سے قطع نظر کریں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ۱ھ میں قبیلہ جہنیہ سے حلیفی اور دوستی کا معاہدہ ہو گیا تھا اگرچہ اس کا متن نہیں ملتا، چنانچہ سیف یعنی ساحل بحر (ینبع) کی سمت سے حضرت حمزہؓ کی جو مہم بھیجی گئی اس کے ذکر میں ابن ہشام(۴۶) وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ ''مجدی بن عمرو الجہنی مسلمانوں اور قریشی کارواں کے مابین آڑے آگیا اور یہ دونوں فریقوں کا حلیف (موادع) تھا۔

البتہ صفر ۲ھ کا معاہدہ محفوظ ہے۔ یہ بنی ضمرہ سے ہوا تھا۔ سہیلی(۴۷) نے اس کا متن یوں نقل

کیا ہے: ''یہ ایک تحریر ہے محمد رسول اللہؐ کی بنی ضمرہ کے لئے---'' اس طرح کے معاہدوں کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر جاری رہا۔ بعض عجیب چیزیں بھی پیش آئیں۔

۵ھ میں خندق کے زمانے میں بنی فزارہ اور غطفان سے ایک توثیق طلب یا مسودہ معاہدہ (مراوضہ)(۴۸) ہوا تھا اور بعد میں مٹا دیا گیا۔

۶ھ کے صلح نامہ حدیبیہ کے الفاظ پر جھگڑا بھی مشہور ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے آخر حکم دیا تھا کہ بعض لکھے ہوئے الفاظ مٹا دیئے جائیں(۴۹)۔

۹ھ کے غزوہ تبوک کے متعلق مورخ لکھتے ہیں کہ دُومة الجندل کے حکمران اُکیدر بن عبدالملک بن عبدالجن الحیری نے جب اطاعت کا معاہدہ(۵۰) کیا تو آنحضرت ﷺ نے دستاویز پر ''اپنے ناخن سے مہر فرمائی'' (خَتَمَہ' بِظُفرہ)(۵۱)۔ یہ اصل میں اکیدر کے وطن حیرہ والوں کا قدیم رواج تھا کہ معاہدوں پر انگوٹھے کا نہیں بلکہ ناخن کا نشان لیتے تھے اور اس سے ہلال کی شکل کی ایک لکیر پڑ جاتی تھی۔ چنانچہ آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں پختہ اینٹوں پر کندہ کئے ہوئے زمانہ قبل مسیح کے جو معاہدے نکلے ہیں، ان پر نہ صرف ایسی علامتیں موجود ہیں بلکہ یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ ''بغرض توثیق ناخن کا نشان ثبت کیا''(۵۲)۔

(د) آنحضرت ﷺ نے قیصر و کسریٰ، مُقوقِس و نجاشی وغیرہ حکمرانوں کو تبلیغی خط بھیجے تھے، ان میں سے قیصر کا موسومہ اصل خط حال تک موجود تھا(۵۳)۔ مقوقس، نجاشی اور المنذر بن ساویٰ کے خطوط کی اصلیں موجود و معروف ہیں(۵۴)۔ ابن عساکر نے اپنی ''تاریخ دمشق'' میں لکھا ہے(۵۵) کہ ابوالعباس عبداللہ بن محمد نے شہر ایلہ والوں سے ان کا معاہدہ نبوی تین سو اشرفی میں خرید کیا۔ کسریٰ کے متعلق مروی ہے کہ اس نے نامہ مبارک کو پوری طرح سنے بغیر چاک کر دیا تھا(۵۶)۔ یہ سب بھی تحریری چیزیں تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کے کاتب ''زید بن ثابتؓ'' نے رسالت مآب ﷺ کے حکم سے یہودیوں کی تحریر سیکھی تھی(۵۷)۔ مورخ طبری کے علاوہ محدث ابوداؤد اور امام بخاری لکھتے ہیں کہ ''زید بن ثابتؓ نے رسول اللہؐ کے حکم سے یہودیوں کی کتابت سیکھی تھی اور رسالت مآب ﷺ جو مراسلے ان کو لکھتے یا جو مراسلے وہ لکھتے زید بن ثابت ان کو لکھتے یا پڑھ کر سنایا کرتے تھے(۵۸)۔

(ھ) انتظامی ضرورتوں سے اکثر موقع پیش آتا رہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ جزیرہ نمائے عرب کے اطراف و اکناف میں اپنے ہر جگہ کے گورنروں، قاضیوں، تحصیلداروں، وغیرہ کو وقتاً فوقتاً اپنی

ہدایتیں بھیجیں، یا پیچیدہ گتھیوں میں یہ افسر کچھ دریافت یا استصواب کریں تو اس کا جواب بھیجیں۔ اس کا بھی متواتر ذکر ملتا ہے کہ اواخر حیات میں آنحضرت ﷺ نے زکات یعنی زراعت ریوڑوں، معدنیات وغیرہ میں حکومت کو ادا طلب محصول کی شرحیں تحریر کروائیں لیکن اضلاع وغیرہ میں بھیجنے سے قبل آپ کا انتقال ہوگیا، اور یہ کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ وغیرہ خلفاء نے اس پر عمل کیا(۵۹)۔

ترجمہ قرآن عہد نبوی میں

عہد نبوی کی لکھائی کے سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ کا ترجمہ قرآن بھی قابل ذکر ہے۔ بعض ایرانی لوگ مسلمان ہوئے (معلوم نہیں یمن کے یا بحرین و عمان کے، یا کہیں اور کے) اور اپنی مادری زبان فارسی میں نماز پڑھنے کی عارضی اجازت مانگی تو سلمان فارسیؓ نے سورہ فاتحہ کا ترجمہ کر کے انہیں بھیجا تاکہ عربی متن حفظ ہونے تک اسی کو نماز میں پڑھا کریں۔ جیسا کہ مشہور حنفی فقیہ شمس الائمہ سرخسی نے ذکر کیا ہے:-

> **رُوی اَنّ الفرس کتبوا الیٰ سلمانؓ اَنْ یکتبَ لھم الفاتحة باالفارسیّةِ فکانوا یقرؤن ذَالِکَ فِی الصَّلاةِ حتی الانت اَلْسِنتھُمْ للعَرَبیَةِ(۶۰).**
>
> بیان کیا گیا ہے کہ ایرانیوں نے سلمان فارسیؓ کو خط لکھا کہ ان کے لئے سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ بھیجیں۔ چنانچہ یہ لوگ نماز میں اسی (ترجمے) کو پڑھا کرتے تھے تا آنکہ ان کی زبان عربی سے مانوس ہوگئی۔

کسی اور حوالہ سے مصری عالم فرید وجدی نے لکھا ہے کہ سلمان فارسیؓ نے یہ ترجمہ آنحضرت ﷺ کی اجازت سے کر بھیجا تھا(۶۱)۔

ان مثالوں کے دینے سے غرض صرف یہ ہے کہ اس طرح کی حدیثیں یعنی سیاسی دستاویزیں جو عہد نبوی سے تعلق رکھتی ہیں تحریری ہی ہوسکتی ہیں۔ کیوں کہ اس کے بغیر ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسی دستاویزوں یعنی تحریری حدیثوں کو اکٹھا کرنے کی کوششوں کا آغاز عہد صحابہ ہی میں شروع ہوا، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ اس عاصی پر معاصی نے بھی اس سعادت کے حصول کی بساط بھر کوشش کی اور اگلوں پچھلوں کی کوششوں کو یکجا کر کے "**الوثائق السیاسیة فی العھد النبوی والخلافة الراشدة**" مصر میں شائع کی۔ اس میں خاص عہد نبوی کی دو سو سے زائد دستاویزیں ہیں۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن زیر طبع ہے۔ اس میں عہد نبوی کے مزید چالیس ایک معاہدے، جو بعد میں ملے، اضافہ کئے گئے ہیں۔

کتابت کی بعض اتفاقی صورتیں

صحیح بخاری[۶۲] وغیرہ[۶۳] نے روایت کی ہے کہ ۸ھ میں فتح مکہ پر آنحضرت ﷺ نے حقوق انسان وغیرہ اہم مسائل پر خطبہ دیا۔ ایک یمنی شخص ابوشاہ وہاں حاضر تھا۔ اس نے درخواست کی، یا رسول اللہ! مجھے یہ لکھ دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ وہ خطبہ اسے قلمبند کر دیا جائے۔ (اکتبوہ لابی شاہ)

ایسے واقعے بھی پیش آئے ہوں گے کہ کوئی صحابی جو باہر سے مدینہ آئے ہوں اور چند روز مقیم رہ کر واپس جا رہے ہوں، تو قیام کے دوران میں آنحضرت ﷺ سے سنی ہوئی کچھ باتیں یا ہدایتیں لکھ کر ساتھ لے گئے ہوں، خود مدینہ میں رہنے والے عوام الناس بھی (مثلاً کسان، مزدور پیشہ، دستکار وغیرہ) جن کو تصنیف یا تالیف یا عام علمی و ذہنی مشاغل کا ذوق نہ ہو کبھی کبھار آنحضرت ﷺ کے کسی ارشاد سے اتنا متاثر ہوئے ہوں کہ یادداشت کے لئے اسے لکھ لیا ہو، مگر یہ سب اتفاقی صورتیں تھیں۔

عہد نبوی میں اہتمام کے ساتھ حدیث کی تدوین

ایسی روایتیں نایاب نہیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو قرآن مجید کے سوا آپ سے سنی ہوئی کسی اور چیز کے لکھنے کی ممانعت فرمائی ہو، اور ایسی روایتیں بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اجازت بلکہ ہدایت دی کہ حدیث کو لکھ لیا جائے۔

ان "متضاد" احکام سے صحابہ کو تو کوئی تشویش نہ ہوئی کیوں کہ وہ سیاق و سباق سے واقف تھے، مگر بعد کے محدثین کو شروع میں کچھ الجھن رہی، اور جس کو جو حدیث ملی وہ اسی پر عمل کرنے لگا۔ البتہ کچھ عرصہ بعد جب دونوں قسم کی ساری حدیثیں یکجا ہوگئیں تو پھر اہل نظر کے لئے آنحضرت ﷺ کا صحیح منشا معلوم کرنے میں کوئی دشواری نہ رہی، مثال کے طور پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری میں "بابُ کِتَابة العِلم" یعنی لکھنے کی اجازت کا تو ذکر ہے لیکن لکھنے کی ممانعت یا کراہت کا کوئی باب نظر نہیں آتا۔

قبل اس کے کہ ہم ممانعتی روایتوں کا ذکر اور ان کی جانچ کریں، مناسب ہوگا کہ (بحث کو جاری رکھتے ہوئے) حدیث لکھنے کی اجازت اور اس اجازت سے استفادہ کئے جانے کی مثالیں بیان کی جائیں جو کثیر بھی ہیں اور اثر انداز بھی۔

(الف) ترمذی[۶۴] کی روایت ہے کہ کسی انصاری صحابی نے ایک دن آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی اور کہا کہ ہر روز وعظ و تذکیر میں آپ جو اہم اور کارآمد باتیں فرماتے ہیں وہ مجھے اچھی طرح معلوم ہوتی ہیں لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہتیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو'' (یعنی لکھ لیا کرو)۔ انہوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا ہوگا لیکن مزید تفصیلیں معلوم نہیں۔

اَلصَّحِيفَةُ الصَّادِقَةُ

(ب) ایک مماثل واقعہ عبداللہ بن عمرو بن العاص القرشیؓ کے متعلق مروی[۶۵] ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی اجازت سے ملفوظات نبوی لکھ لیا کرتے تھے تاکہ انہیں یاد رکھ لیں۔ لوگوں نے انہیں منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک بشر ہیں کبھی خوشی اور کبھی خفگی کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اس لئے بلاامتیاز آپ کی ہر بات کو لکھ لینا مناسب نہیں۔ بات معقول تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا ''کیا جو بھی آپ سے سنوں اسے لکھ سکتا ہوں؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں! مزید اطمینان کے لئے پوچھا: کیا رضامندی اور غضب ہر حالت میں؟'' اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''بخدا اس سے جو بھی نکلتا ہے وہ حق بات ہی ہوتی ہے''۔

صحیح بخاری[۶۶] میں وہب بن منبہ نے اپنے بھائی ہمام--- یعنی زیر اشاعت صحیفے کے مولف--- سے روایت کی ہے، کہتے ہیں: ''میں نے ابوہریرہؓ کو کہتے سنا کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں آپؐ کی حدیثیں بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں، بجز عبداللہ بن عمرو کے کیوں کہ وہ (بروقت) لکھا کرتے تھے، اور میں نہیں لکھتا تھا--- یہی حدیث معمر نے ہمام سے (اور انہوں نے) ابوہریرہؓ سے بیان کی ہے۔ ''عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے پاس کے جمع کردہ ذخیرہ حدیث کا نام **"الصحیفة الصادقة"** رکھا[۶۷]۔ کہتے ہیں کہ اس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں[۶۸]۔ یہ نسخہ ان کے خاندان میں عرصے تک محفوظ رہا۔ چنانچہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب، اسی کو ہاتھ میں رکھ کر روایت کرتے اور درس دیتے تھے[۶۹]۔ بظاہر وہ انہیں حفظ نہ تھا۔ اللہ، امام احمد بن حنبلؒ پر ہزار رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے صحیفہ ہمام ہی کی طرح، جس کا ہم آگے ذکر کریں گے--- اس کو بھی اپنی ضخیم قابل قدر ''مسند'' میں مدغم فرما کر ہمارے لئے محفوظ فرما دیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی تالیف کا ذکر ابن منظور نے (لسان العرب مادہ ''ظہم'') میں بھی کیا ہے: ''حدیث[۷۰] میں وارد ہوا ہے کہ ایک دن ہم لوگ عبداللہ بن عمرو کے پاس تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کون سا شہر پہلے فتح

ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ؟ اس پر انہوں نے ایک پرانی صندوق منگوائی، اس میں سے ایک کتاب نکال کر اس پر نظر ڈالی پھر کہا: ایک دن ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے اور جو کچھ فرما رہے تھے، لکھتے جا رہے تھے، اس اثناء میں آپؐ سے پوچھا گیا، کون سا شہر پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرقل کے بیٹے کا شہر پہلے فتح ہوگا، یعنی قسطنطنیہ''۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو ہی نہیں، صحابہ کی ایک جماعت ملفوظات نبوی کو لکھا کرتی تھی، اور یہ خود رسول اکرم ﷺ کے روبرو، عبداللہ بن عمروؓ بڑے عابد و زاہد تھے۔ باپ سے بھی پہلے مسلمان ہوئے۔ ذوق علم میں سریانی زبان سیکھ لی تھی[۷۱]۔ یہ ۶۵ھ میں بہتر سال کی عمر میں فوت ہوئے[۷۲]۔

(ج) آنحضرت ﷺ سے آپ کے آزاد کردہ غلام اور خادم ابورافع نے بھی احادیث لکھ لیا کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے انہیں اس کی اجازت دے دی[۷۳]۔ یہ اصل میں قبطی یعنی مصری تھے اور شروع میں حضرت عباسؓ کے غلام تھے[۷۴]۔ مسلمان ہوئے تو حضرت عباسؓ نے انہیں رسول اکرمؐ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا۔ اور آپؐ نے انہیں فوراً آزاد کر دیا۔ بظاہر یہ ۸ھ کا واقعہ ہے کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا ان کو دیا ہوا پروانہ آزادی محفوظ ہے[۷۵]۔ اور اس کے آخر میں ہے: ''اسے معاویہؓ بن ابی سفیان نے لکھا''۔ حضرت معاویہؓ فتح مکہ پر مسلمان ہوئے تھے۔ سنن ابی داؤد[۷۶] میں یہ بھی لکھا ہے کہ قریش نے انہیں غالباً ان کی کاردانی و معاملہ فہمی کی بناء پر سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا، اسد الغابہ جلد اول صفحہ ۷۷ کے مطابق یہ قدیم الاسلام ہیں، غزوہ احد میں شرکت کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فوراً نہیں، چند سال بعد آزاد فرمایا اور قریش کی سفارت بھی شاید بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

(د) ان سب سے اہم حضرت انس بن مالک انصاریؓ کا واقعہ ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو نو عمر انس کو جو دس برس کی عمر ہی میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے[۷۷] ان کے والدین نے وفور عقیدت سے حکم دیا کہ رسول کریم ﷺ کی خادمی انجام دیں۔ چنانچہ انسؓ رات دن رسول اللہ ﷺ کے مکان میں رہتے تھے اور صرف اسی وقت وہاں سے نکلے جب دس سال بعد ۱۱ھ میں رسول اکرم ﷺ نے وفات پائی۔ اس کے بعد انسؓ بہت دن (۹۱ھ) تک زندہ رہے۔ ظاہر ہے کہ انہیں رسول اللہ کی وہ باتیں دیکھنے اور سننے کا موقع ملا جو کسی اور کو آسانی سے نہیں مل سکتا تھا۔ دارمی[۷۸] کی روایت ہے کہ بعد میں انسؓ اپنے بچوں کو ہمیشہ تاکید کیا کرتے تھے کہ ''اے

میرے بچو! اس علم یعنی حدیث کو قلم بند کر لو' دارمی (۷۹) ہی نے ایک اور روایت کی ہے کہ ''میں نے دیکھا کہ آبان (ایک دن) انسؓ کے پاس بیٹھے (حدیث) لکھ رہے تھے''۔ ان کے بچے اور شاگرد کیوں نہ لکھتے جب انسؓ خود اوروں سے زیادہ تدوین حدیث میں مشغول رہے تھے (۸۰)۔ چنانچہ محدثین کی ایک جماعت نے سعید بن ہلال وغیرہ کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ: جب ہم انس بن مالکؓ سے زیادہ اصرار کرتے تو وہ ہمارے لئے بیاضین یا دفتر (مجال، صکاک) نکالتے اور کہتے کہ یہ وہ (حدیثیں) ہیں جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنیں اور آپؐ پر پیش کی ہیں''۔ یہاں دیکھا جائے گا کہ وہ سنی یا دیکھی ہوئی باتوں کو صرف قلمبند ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اسے خود جناب رسالت کی خدمت میں پیش کرتے اور حسب ضرورت تصحیح و اصلاح کر لیتے۔

عہد نبوی ہی میں صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں تدوین حدیث ہونے کے جو واقعات ملتے ہیں، یہ ان میں سے چند ہیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کا اپنی یادداشتوں کو قلمبند کرنا مختلف وجوہ سے روز افزوں ہی ہوگیا۔ ان میں سے چند واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

عمرو بن حزم صحابی کی تالیف

یہ مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عمرو بن حزم کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا تو انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ دیا (۸۱)۔ جس میں جو احکام اور ہدایات دینی تھیں، درج فرمائیں۔ عمرو بن حزم نے اس قیمتی دستاویز کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اکیس دیگر فرامین نبوی بھی فراہم کئے۔ جو بنی عادیا اور بنی عریض کے یہودیوں، تمیم داری، قبائل جہینہ و جذام وطی وثقیف وغیرہ کے نام موسومہ تھے اور ان سب کی ایک کتاب تالیف کی، جو عہد نبوی کے سیاسی دستاویزوں یا سرکاری پروانوں کا اوّلین مجموعہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس کی جو روایت تیسری صدی ہجری میں دیبل (پاکستان) کے مشہور محدث ابوجعفر الدیبلی نے کی ہے--- اور جن کے حالات انساب سمعانی کے مادہ دیبلی اور معجم البلدان یاقوت کے مادہ دیبل میں بھی ملتے ہیں--- محفوظ ہے اور ہم تک پہنچی ہے، چنانچہ ''اعلام السائلین عن کتب سیدالمرسلین'' کے نام سے ابن طولون نے جو کتاب تالیف کی--- اور جس کا نسخہ بخط مولف کتب خانہ ''المجمع العلمی'' دمشق میں محفوظ ہے۔ نیز جو چھپ بھی گئی ہے--- اس میں حضرت عمرو بن حزم کی یہ تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کر دی گئی ہے۔

عہد صحابہ میں عام تدوین حدیث

صحیفہ جابر بن عبداللہؓ

(الف) صحیح مسلم[۸۲] کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے حج پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس میں خطبہ حجۃ الوداع اور مناسک حج کے متعلق دیگر حدیثیں جمع کی گئی ہوں (اسے مسند ابن حنبل، باب جابر میں تلاش کر سکتے ہیں) یہ بھی مشہور ہے کہ مسجد نبوی (مدینہ) میں ان کا ایک حلقہ درس تھا جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے[۸۳]۔ چنانچہ مشہور تابعی مؤرخ وہب بن منبہ (ہمام بن منبہ کے بھائی) کو بھی انہوں نے حدیثیں املاء کرائی تھیں[۸۴]۔ امام بخاری کی روایت ہے کہ مشہور تابعی قتادہ کہا کرتے تھے ''مجھے سورہ بقرہ کے مقابلے میں صحیفہ جابر زیادہ حفظ ہے[۸۵]۔ ان کے ایک اور شاگرد سلیمان بن قیس الیشکری کہتے تھے کہ انہوں نے بھی حضرت جابرؓ کی روایت کردہ حدیثیں لکھی ہیں[۸۶]۔ حضرت جابرؓ سے اور لوگوں نے بھی درس لیا اور ان کے ''صحیفہ'' کی روایت کی ہے[۸۷]۔

(ب) اُم المومنین حضرت عائشہؓ کو پڑھنا تو آتا تھا لیکن خود لکھتی نہ تھیں۔ روایت ہے کہ ان کے بھانجے، عروہ بن الزبیر نے ان کی نیز دیگر صحابہ کی حدیثیں لکھی تھیں جو جنگ حرہ میں تلف ہوگئیں۔ بعد میں یہ پچھتایا کرتے کہ کاش! میں اپنے بال بچوں اور اپنے مال و اسباب کو ان کتابوں کے عوض فدا کر دیتا[۸۸]۔ عائشہ صدیقہؓ کے اور بھی شاگرد تھے۔ ان میں ایک خاتون عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں جن کو انہوں نے بچپن ہی سے پال لیا اور تعلیم و تربیت دی تھی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ عمرہ خود کچھ لکھتی تھیں یا نہیں، لیکن خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مدینہ کے عامل (گورنر) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو--- جو عمرہ کے بھانجے تھے--- ہدایت بھیجی تھی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم (یعنی ذخیرہ احادیث) ہے، اسے قلم بند کریں''[۸۹] یہ قاسم بن محمد ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھتیجے تھے۔ یتیم ہونے کے باعث بی بی نے ان کو گود لے لیا اور خود پالا پرورش کیا تھا۔ یہ بڑے عالم گزرے ہیں چنانچہ ابوعیینہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے عمرہ اور قاسم بن محمد تھے''[۹۰] بی بی عائشہؓ کے علم و فضل کے کیا کہنے، حدیث، فقہ، شاعری، انساب، تاریخ عرب اور طب غرض ہر فن میں طاق تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ آپ کی قانون دانی اور نکتہ رسی کا لوہا مانتے تھے۔

(ج) روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی احادیث نبویہ جمع کی تھیں اور اس رسالے میں پانچ سو حدیثیں تھیں، پھر خود آپ ہی نے یہ سوچ کر اسے تلف کر دیا کہ کہیں یاد کی سہو سے کوئی غلط لفظ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو گیا ہو چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن محمد کی روایت ہے:

قَالَت عَائِشَةَ: جَمَع اَبی الحدیث عَن رسول الله ﷺ و کَانَتْ خمسَ مائَةَ حدیثٍ. فَباتَ لَیْلَةً یتقلبُ کَثِیراً، قَالَت: فغمنی. فَقَلْتُ: اتقلبُ لشکویً اَوْ بشئ بَلَغکَ؟ فَلَمَّا اَصْبَحَ، قال: اِی بُنیةُ! هَلمی الاحادیث التی عندکِ فجئتهُ بِها، فدعا بنار فحرّقها فقُلْتُ: لِمَ حَرَقتهَا؟ قَالَ: خَشِیتُ ان امرتُ وَهِیَ عِندِیْ فَیکُونُ فِیهَا اَحَادیث عَنْ رجُلٍ قَدْائتمنته' ووثقتُ وَلَمْ یَکُنْ کما حَدّثنِی فَاکون قد نقلتُ ذَالِکَ فَهٰذَا الایصحُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ(۹۱)

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میرے باپ نے رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو حدیثیں جمع کیں۔ پھر ایک رات بڑی بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس سے مجھے بہت رنج ہوا میں نے کہا کہ آپ مرض کی وجہ سے کرتے ہیں یا کوئی اور بات ہے؟ جب صبح ہوئی تو مجھ سے کہا کہ بیٹی! تمہارے پاس جو حدیث کی کتاب ہے وہ لے آؤ۔ چنانچہ میں وہ لے آئی تو آپ نے آگ منگا کر اسے جلا دیا۔ میں نے کہا آپ نے اسے کیوں جلایا؟ فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میں مر جاؤں اور یہ کتاب چھوڑ جاؤں۔ شاید اس میں کسی ایسے شخص کی بھی حدیث ہو جو میرے نزدیک تو معتبر ہو اور وہ حقیقت میں معتبر نہ ہو اور میں نے اس کو نقل تو کر دیا اور وہ صحیح نہ ہو۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

(د) حضرت عمر فاروقؓ نے بھی احادیث نبویہ کو حکومت کی جانب سے جمع کرنے کا اہتمام کیا اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور ان سب نے احادیث کو لکھ لینے کا مشورہ دیا لیکن پھر آپ نے یہ ارادہ منسوخ کر دیا چنانچہ محدث عبدالرزاق ابن ہمام الصعانی الیمانی اپنے مصنف میں لکھتے ہیں:

معمر عن الزهری عن عروہ ان عمر بن الخطاب اراد ان یکتب السنن فاستشارا فی ذالک اصحاب رسول الله ﷺ. فاشاروا علیه ان یکتبها فطفق عمر یستخرالله فیها شهراً ثم اصبح یومًا وقد عزم الله له' فقال: انی کنت ارید ان اکتب السنن وانی ذکرت قوماً کانوا قبلکم کتبوا کتبا فاکتبوا علیها وترکوا کتاب الله وانی والله لا البس کتاب

اللہ بشیءٍ ابدا(۹۲)۔

معمر زہری سے اور وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے احادیث کو ایک کتاب میں لکھنے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ اور انہوں نے مشورہ دیا کہ احادیث کو لکھ لیا جائے۔ پھر حضرت عمرؓ ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن صبح میں اٹھے اور انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا۔ پھر فرمایا کہ میں احادیث کو لکھ لینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ پھر بعد میں مجھے اس قوم کا خیال آیا جو ہم سے پہلے گزری اس نے خود ایک کتاب لکھی اور (اس جانب ہمہ تن اس قدر متوجہ ہوگئی کہ) اللہ کی کتاب ہی کو چھوڑ دیا۔

صحیفہ علی کرم اللہ وجہہٗ

(ھ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بخاری(۹۳) میں یہ روایت ملتی ہے کہ ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ کہا: نہیں، بجز کتاب اللہ (قرآن) کے یا ایسی سمجھ کے جو کسی مسلمان شخص کو حاصل ہو، اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے! ابوجحیفہؓ کہتے ہیں، میں نے پوچھا: تو پھر اس صحیفے میں کیا ہے؟ کہا: خوں بہا اور قیدیوں کو رہا کرانے (کے قواعد) اور یہ کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے باعث قتل نہ کیا جائے"۔ ایک اور روایت کے الفاظ بخاری(۹۴) میں یوں ہیں: "حضرت علیؓ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور کہا ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے جسے ہم پڑھیں بجز کتاب اللہ (قرآن) کے یا جو اس صحیفے میں ہے اور کہا کہ اس میں زخم کے ہر جانے کے قواعد (جراحات) اونٹوں کی عمریں (بغرض زکات) ہیں اور یہ درج ہے کہ مدینہ جبل عیر سے فلاں مقام تک حرم ہے جو کوئی وہاں قتل کا ارتکاب کرے یا قاتل کو پناہ دے تو اس پر اللہ، فرشتوں، انسانوں سب ہی کی لعنت ہے (قیامت کے دن) اس سے کوئی رتی معاوضہ یا بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور جو معاہداتی بھائی اپنے معاہداتی بھائی (فریق ثانی) کی اجازت کے بغیر کسی اور گروہ سے معاہداتی بھائی چارہ اختیار کرے تو اس پر بھی اسی طرح (لعنت) ہے۔ مسلمانوں (میں سے ہر ایک) کی ذمہ داری ایک ہی ہے (یعنی ایک کا دیا ہوا، امن سب پر پابندی عائد کرتا ہے) جو کسی مسلمان سے عہد شکنی کرے تو اس پر بھی اسی طرح (لعنت) ہے"۔ بخاری ہی کی ایک اور روایت(۹۵) اس سے ذرا زیادہ مفصل ہے۔ اس کا درمیانی فقرہ یوں ہے: "مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہی ہے۔ ان میں سے جو قریب ترین ہو وہ اس کی (تکمیل کی) کوشش کرے گا، اور جو کوئی کسی مسلمان سے

عہد شکنی کرے گا تو اس پر لعنت' وغیرہ--- غالباً اس سے مراد دستور مدینہ[۹۶] ہے۔ جس کا اوپر ذکر آیا اور جو ۱ھ میں رسول اکرم ﷺ نے نافذ فرمایا۔ محولہ قواعد اس میں موجود ہیں۔ اس واقع کی ایک دوسری روایت جو مصنف عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی[۹۷] میں ہے اور جو امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے، یہ ہے: ''جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہیں رسول اکرم ﷺ کی تلوار کے قبضے پر ایک صحیفہ بندھا ہوا ملا۔ اس میں یہ بھی تھا کہ اللہ پر سب سے زیادہ گراں وہ شخص گزرتا ہے جو ایسے آدمی کو قتل کرے جو اسے قتل نہ کر رہا ہو۔ اور ایسے آدمی کو مارپیٹ کرے جو اسے مارپیٹ نہ کر رہا ہو اور یہ کہ جو کسی قاتل کو پناہ دے تو قیامت کے دن اللہ اس سے کوئی رقمی معاوضہ یا بدلہ قبول نہ کرے گا''۔--- اس اقتباس کا پہلا جز (بطور تشریح)، اور دوسرا جزء تقریباً بلفظ مذکورہ دستور مدینہ سے ماخوذ ہے۔ ایک تیسری روایت سنن ابی داؤد[۹۸] میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ (کے ارشادات) سے بجز قرآن اور اس چیز کے جو اس صحیفے میں ہے، کچھ نہ لکھا، کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مدینہ جبل عائر سے جبل ثور[۹۹] تک ایک حرم ہے، جو کوئی قتل کا ارتکاب کرے یا قاتل کو پناہ دے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے۔ اس سے کوئی بدلہ یا رقمی معاوضہ قبول نہ ہوگا۔ جو کسی مسلمان سے عہد شکنی کرے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے۔ اس سے کوئی بدلہ یا رقمی معاوضہ قبول نہ ہوگا۔ اور جو معاہداتی بھائی اپنے معاہداتی بھائی کی اجازت کے بغیر کسی اور گروہ سے معاہداتی بھائی چارہ اختیار کرے تو اس پر اللہ فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے۔ اس سے کوئی بدلہ رقمی معاوضہ قبول نہ ہوگا۔ ابن المثنیٰ بیان کرتے ہیں--- اس قصے میں علیؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: اس (حرم مدینہ) کا نہ گھاس کاٹا جائے نہ شکار بھڑکایا جائے نہ کوئی لقطہ (کسی کی گری پڑی چیز) اٹھائی جائے بجز اس کے کہ مالک کی تلاش میں عوام کو اطلاع دی جائے، اسی طرح کسی شخص کے لئے یہ درست نہیں کہ لڑائی کے لئے وہاں ہتھیار اٹھائے اور نہ یہ درست ہے کہ وہاں کا کوئی درخت کاٹے بجز اس کے کہ کوئی شخص اپنے اونٹ کو چارہ دے''--- یہ اقتباسات بھی دستور مدینہ کا کہیں بلفظ انتخاب اور کہیں شرح ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری کے ایک اور باب[۱۰۰] میں اس واقعہ کی جو تفصیل ملتی ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ صحیفہ کافی طویل تھا اور وہ کم سے کم چار سرکاری دستاویزوں کا مجموعہ تھا یعنی جدول زکات، مدینے کو حرم قرار دینے کا اعلان، دستور مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع، ممکن ہے یہ دستاویزیں حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے لکھی ہوں اور مثلاً جدول

زکات کی نقلیں مختلف صوبوں میں بھیجی گئیں تو اصل مدینے ہی میں محفوظ رہی۔ اس سلسلے میں ہم نے خطبہ حجۃ الوداع کا بھی تذکرہ کیا ہے، کیونکہ زیر بحث حدیث کا ایک جزء اس مشہور خطبے میں بھی ملتا ہے[۱۰۱]۔ ممکن ہے کہ یہی جزء خطبہ فتح مکہ میں بھی رہا ہے جو حضرت ابوشاہ کو لکھوا دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان مختلف دستاویزوں کو ایک کے نیچے ایک چسپاں کر کے لپیٹ رکھا تھا۔ کتاب کی صورت میں جزء بندی نہ کی تھی۔ بہرحال بخاری کی زیر بحث حدیث یہ ہے "علیؓ نے ہمیں مخاطب کیا، ایک منبر پر چڑھے جو اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ آپ پر ایک تلوار لگی ہوئی تھی جس میں ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے جو پڑھی جائے بجز کتاب اللہ (قرآن) کے یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے، پھر آپ نے اسے پھیلایا (فنشرھا) تو اس میں اونٹوں کی عمریں درج تھیں۔ اسی طرح اس میں لکھا تھا کہ عیر سے فلاں مقام تک مدینہ ایک حرم ہے۔ جو کوئی اس میں قتل کا ارتکاب کرے تو اس پر اللہ، فرشتوں، انسانوں سب کی لعنت ہے۔ اس طرح اس میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کی ذمہ داری واحد ہے جس کے لئے ان میں کا قریب ترین شخص جدوجہد کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کے کئے ہوئے عہد کو توڑے تو اس پر اللہ، فرشتوں، انسانوں سب کی لعنت ہے۔ اللہ ایسے شخص سے کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح اس میں لکھا تھا کہ جو کسی گروہ سے اس کے مولاؤں کی اجازت کے بغیر قانونی بھائی چارہ اختیار کرے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے، اللہ ایسے سے کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول نہ کرے گا[۱۰۲]۔

(ھ) حضرت عبداللہ بن اوفیؓ بھی جو حدیثیں لکھا کرتے تھے اور ایسا نظر آتا ہے کہ وہ خط و کتابت کے ذریعہ سے درس بھی دیا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں نظر آتا ہے، چنانچہ انہوں نے مشہور کتاب المغازی کے مولف موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ: "عمر بن عبداللہ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) سالم ابوالنصر سے جو اس (عمر بن عبداللہ) کے کاتب تھے۔ مروی ہے کہ عبداللہ بن اوفیٰ نے خط لکھا اور میں نے وہ پڑھا--- ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "جب وہ حروریوں سے لڑنے روانہ ہوا تو عبداللہ بن اوفیٰ نے اسے خط لکھا جسے میں نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ--- رسول اللہ ﷺ اپنے ایک غزوہ میں، جس میں دشمن سے دوچار ہوئے انتظار فرماتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب ڈھل گیا۔ پھر آپؐ اٹھے اور لوگوں کو مخاطب فرمایا اور کہا: اے لوگو! دشمن سے دوچار ہونے کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ سے عافیت کے طلب گار رہو۔ لیکن جب اس سے دوچار ہو جاؤ تو صبر و ثبات دکھاؤ اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے کتاب کے نازل فرمانے والے، بادل کو چلانے والے اور متحدہ لشکروں (احزاب) کو شکست دینے والے اللہ، ان کو شکست دے اور ہم کو ان پر نصرت عطا فرما[۱۰۳]۔"

رسالہ سمرہ بن جندب

(و) حضرت سمرہ بن جندبؓ نے بھی حدیثیں جمع کیں جو ان کے بیٹے سلیمان بن سمرہ کو وراثت میں ملیں۔ ابن حجر[۱۰۴] نے لکھا ہے کہ "سلیمان نے اپنے باپ کے حوالے سے ایک بڑا رسالہ (نسخۃ کبیرۃ) روایت کیا ہے۔" نیز ابن سیرین کہتے ہیں کہ سُمرہ نے اپنے بیٹوں کے لئے جو رسالہ لکھا اس میں بہت علم (علم کثیر) پایا جاتا ہے"[۱۰۵]۔

صحیفہ سَعد بن عبادہ

(ز) حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ تو زمانہ جاہلیت میں بھی لکھنا پڑھنا جاننے، وغیرہ کے باعث "مردِکامل" سمجھے جاتے تھے[۱۰۶]۔ ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں انہوں نے احادیث نبوی جمع کی تھیں۔ اس کی روایت ان کے بیٹے نے کی ہے[۱۰۷]۔

(ح) معلوم نہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خود کوئی حدیثیں لکھیں یا نہیں۔ لیکن طبقات ابن سعد میں سلمان بن موسیٰ کی روایت ہے کہ ابن عمر کے مولیٰ یعنی نافع کو دیکھا کہ ابن عمرؓ اسے املاء کرا رہے تھے۔ اور نافع لکھتے جا رہے تھے"۔ نافع ایک بہت بڑے عالم اور حضرت ابن عمرؓ کے سب سے قابل شاگرد تھے، اور اپنے استاد (ابن عمرؓ) کی صحبت میں پورے تیس سال گزار چکے تھے۔ ناگزیر انہوں نے اپنے استاد کے سارے معلومات حاصل کر لئے ہوں گے۔ حضرت ابن عمرؓ فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ "نافع کا وجود ہم پر اللہ کا ایک بڑا احسان ہے"[۱۰۸]۔

(ط) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی علمی زندگی اتنی مشہور ہے کہ اس کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ یہ تواتر سے ثابت ہے کہ ان کی وفات ہوئی تو اتنی تالیفیں چھوڑیں کہ ایک اونٹ پر لادی جا سکتی تھیں۔ ترمذی[۱۰۹] نے ان کے مولیٰ اور شاگرد عِکرِمَہ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ کچھ اہل طائف ابن عباسؓ کے پاس آئے اور ان کی کتابوں کو نقل کرنا چاہا، چنانچہ ابن عباسؓ ان کو پڑھ کر املاء کراتے گئے"۔ دارمی (باب ۴۳) نیز، ابن سعد، وغیرہ[۱۱۰] نے ان کے ایک اور شاگرد سعید بن جُبیر سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ جو املاء کراتے تھے، اسے وہ لکھتے جاتے تھے۔ بعض وقت اثناء درس میں کاغذ ختم ہو جاتا تو وہ اپنے لباس پر، ہتھیلی پر، حتیٰ کہ اپنی چپل پر بھی لکھ لیتے پھر گھر جا کر

اس کی نقل کر لیتے۔

یہ بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ علاوہ مستقل تالیفوں کے حضرت ابن عباسؓ حدیث کی خط و کتابت کے ذریعہ سے بھی تعلیم دیتے تھے، چنانچہ سنن ابی داؤد میں ابن ابی مُلیکہ کی روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے مجھے لکھ بھیجا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ حلف مدعی علیہ کو دیا جائے گا''(۱۱۱)۔

جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے علی بن عبداللہ اپنے باپ کی کتابوں کے وارث بنے اور اس طرح اس سرچشمہ علم کی فیض رسانی کا سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا۔

بعض دیگر صحابہ کی تالیفیں

(ی) مولوی عبدالصمد صارم صاحب نے اپنی اردو تالیف ''عرض الانوار المعروف بتاریخ القرآن'' (طبع دہلی ۱۳۵۹ھ) میں بھی اس موضوع پر چند معلومات لکھی ہیں(۱۱۲)۔

افسوس ہے کہ اس میں حوالے ناتمام ہیں جن کے باعث تلاش آسان نہیں۔ بہرحال وہ لکھتے ہیں کہ انہیں ''الجامع الصغیر'' میں اس کا ذکر ملا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو حدیثیں جمع کی تھیں، وہ ان کے بیٹے کے پاس پائی گئیں۔

بعض دیگر تالیفیں، جن کی طرف صارم صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ وہی ہیں جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے، البتہ انہوں نے سعد بن الربیع بن عمرو بن ابی زہیر انصاریؓ کی تالیف کا، کتاب اُسدُ الغابہ کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے، وہ اس کتاب میں (جو حروف تہجی پر مرتب ہے) متعلقہ نام کے تحت نہ ملا۔ ممکن ہے کسی اور کتاب میں انہوں نے یہ تذکرہ پڑھا ہو۔

(ک) صحیح بخاری کے ''باب الذکر بعد الصلاۃ'' میں مروی ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت معاویہؓ کو، بظاہر ان کی دریافت پر بعض حدیثیں اپنے کاتب کو املاء کرا کے روانہ کیں۔

(ل) رسول کریم ﷺ کے خادم حضرت ابوبکرہ کے متعلق یہ واقعہ ملتا ہے کہ ''عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ میں بجستان میں تھا جب میرے والد نے مجھے لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بیچ غصے کی حالت میں دو آدمیوں کے مقدمہ کا فیصلہ نہ کرے(۱۱۳)۔

تلاش پر توقع ہے کہ بعض اور صحابہ کی تحریری یادداشتوں کا بھی پتہ چلے۔ فی الحال ان نمونوں پر اکتفا کی جاتی ہے اور صرف ایک اور صحابی کا مزید ذکر کیا جاتا ہے جن سے زیرِاشاعت رسالے کو

خاص تعلق ہے۔

حضرت ابوہریرہ الدوسی

(م) یمن کے قبیلہ دوس سے تعلق رکھنے والے حضرت ابوہریرہؓ نے اگرچہ ہجرت نبوی کے کئی سال بعد ۷ھ میں مدینہ آکر اسلام قبول کیا، لیکن قدیم تر زمانے میں مسلمان ہونے والوں کے مقابلے میں احادیث نبوی کی زیادہ روایت کی ہے اس کی وجہ وہ خود بیان کرتے ہیں (جیسا کہ صحیح بخاری میں نقل ہوا ہے) کہ "ابوہریرہؓ نے کہا: لوگ (اعتراض سے) کہتے ہیں کہ ابوہریرہ (حدیث کی روایت) بہت کرتا ہے! اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا پھر وہ "اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُونَ ما اَنزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَات" سے لفظ "الرحیم" تک (قرآن سورہ ۲ آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰) کی تلاوت کرتے (جس کا ترجمہ ہے: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم نے کھلی واضح باتوں اور ہدایت کے طور پر نازل کی ہے، اور یہ اس امر کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب (قرآن) میں بیان کر دیا ہے، تو ایسوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے (لوگ یا فرشتے بھی) لعنت کرتے ہیں۔ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ اور اصلاح کر لی ہو اور بیان کرنے لگے ہوں تو ایسوں کی توبہ میں قبول کرتا ہوں، اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہوں)۔ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے اور ہمارے انصاری بھائی اپنی زمینوں میں (زراعت و باغبانی کے) کام میں مشغول رہتے تھے، تو ابوہریرہؓ پیٹ بھرا بن کر رسول اللہ ﷺ سے چمٹا رہتا تھا۔ وہ ایسے موقعوں پر حاضر رہتا تھا جب وہ حاضر نہیں رہتے تھے، اور ایسی باتیں (دیکھ کر) یاد رکھتا تھا جن کا انہیں علم نہ ہوتا تھا"(۱۱۴)۔

حضرت ابوہریرہؓ نہ صرف پڑھے لکھے تھے بلکہ انہیں علمی ذوق شروع ہی سے رہا۔ حیرت نہ ہو کہ یمن کے متمدن اور ترقی یافتہ علاقے سے آ رہے تھے، جہاں سبا و یمن کا تمدن شہر روما کی تاسیس سے بھی سینکڑوں ہزاروں برس پہلے اوج عروج کو پہنچ چکا تھا اور جس کی روایتیں یہودی اور عیسائی حکومتوں(۱۱۵) کے زمانے میں بھی مسلسل چلی آتی رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئے نئے مسلمان ہوتے ہی قرآن، حدیث، عام مشاہدات بارگاہ نبوی ہر چیز کو لکھنے لگے تو خلط مبحث کر جانے کے خوف سے رسول اکرم ﷺ نے ان کو شروع میں قرآن کے سواء دوسری چیزیں لکھنے سے منع کر دیا۔ جس پر انہوں نے اپنا ذخیرہ (جو غالبًا اونٹ، بکری کی شانے کی ہڈیوں وغیرہ پر مشتمل تھا) جلا ڈالا(۱۱۶) لیکن بعد میں جب قرآن کو اچھی طرح حفظ کر لیا تو یہ ممانعت باقی نہ رہی۔

اگر عہد نبوی میں انہیں لکھنے پڑھنے اور سیکھنے کا ایک بے پناہ شوق تھا تو بعد کے دور میں اشاعت علم کا ذوق بھی کم نہ رہا۔ چنانچہ امام بخاری کے حوالے سے ابن حجر (۱۱۷) نے لکھا ہے کہ ''ابوہریرہؓ سے تقریباً آٹھ سو یا اس سے زیادہ صحابہ تابعین اور دیگر اہل علم نے حدیث کی روایت کی ہے''۔

ان کا حافظہ بہت اچھا تھا، جیسا کہ آگے بیان ہوگا، اور ساتھ ہی بہت کھرے تھے اور اپنی دانست میں جو بات حق سمجھتے، اس کے بیان کرنے میں بڑے چھوٹے کسی کی پروا نہ کرتے۔ لیکن حق پرست بھی تھے، اپنی غلطی دیکھ لیتے تو بے تکلف پوری خوشی سے قبول کر لیتے۔ ان پر اور جو بھی اعتراض کیا جائے، ان کی دیانت و صداقت خفیف ترین شابے سے بھی قطعاً پاک ہے۔ عہد صحابہ میں بعض وقت ان پر کچھ گرفت ہوئی تو ان کی صلاحیت استنباط یا فقہ دانی کے متعلق تھی۔ ایک چھوٹے واقعے سے اس کا اندازہ ہوگا۔ انہوں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اوّلاً وضو فرمایا پھر نماز ادا کی۔ انہوں نے اس چشم دید واقعے کی بناء پر یہ مسئلہ بیان کرنا شروع کیا کہ پکائی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اصل میں انہوں نے اس پر غور نہیں کیا تھا کہ زیر بحث کھانے کے وقت آیا رسول اکرم ﷺ باوضو تھے یا نہیں۔ بہرحال ان کے اس فتوے پر ایک نو عمر دوست (غالباً ابن عباسؓ) نے پوچھا کہ آیا گرم کئے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ (گرم پانی پکائی ہوئی چیز کی تعریف میں آ جاتا ہے)۔

غرض بطور فقیہ حضرت ابوہریرہؓ کا وہ درجہ نہیں جو خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعود، بی بی عائشہ، ابن عمر، وغیرہ (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔ لیکن ان کی روایتوں میں سے ان کی ذاتی رائے کو ان کے مشاہدات و مسموعات سے جدا کر لیا جائے تو حدیث نبوی کی حد تک وہ ہمارے لئے ایک بڑے قیمتی ماخذ اور انمول معلومات کا ذریعہ ہیں۔

خود ابوہریرہؓ اپنے حافظے کی خوبی کو رسول اکرم ﷺ کی دعا کی برکت قرار دیتے ہیں۔ ان کے حافظہ کی شہرت دیکھ کر ایک مرتبہ مروان بن الحکم نے ان کا امتحان لیا۔ (وہ مدینہ کا گورنر تھا) چنانچہ اس نے ایک دن انہیں بلایا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد حدیثیں پوچھنی شروع کیں۔ پردے کے پیچھے ایک کاتب بیٹھا ہوا تھا، اور ابوہریرہؓ کی لاعلمی کی حالت میں ان کی ہر بیان کردہ حدیث کو لکھتا جا رہا تھا۔ کاتب کہتا ہے: ''مروان پوچھتا جاتا تھا اور میں لکھتا جاتا تھا۔ جو بہت سی حدیثیں ہو گئیں۔ پھر مروان نے سال بھر چپ رہنے کے بعد انہیں مکرر بلایا اور مجھے پردے کے پیچھے بٹھایا۔ وہ پوچھتا گیا

اور میں تحریر کو دیکھتا گیا۔ انہوں نے نہ ایک حرف زیادہ کیا نہ ایک حرف کم (۱۱۸)۔ اس سے نہ صرف حضرت ابوہریرہؓ کے عمدہ حافظہ کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کا بھی کہ ان کی بیان کردہ حدیثوں کی ایک تعداد مروان کے حکم سے لکھی بھی گئی اور ان کا ایک مرتبہ ''اصل'' سے مقابلہ بھی کر لیا گیا۔

مسند ابی ہریرہؓ

مسند ابی ہریرہؓ کے نسخے عہد صحابہ ہی میں لکھے گئے، چنانچہ ابوہریرہؓ کی مسند کا نسخہ عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر (المتوفی ۸۶ھ) کے پاس بھی تھا۔ انہوں نے کثیر بن مرہ کو لکھا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کی جو حدیثیں ہوں انہیں لکھ کر بھیج دو ''الاّ حدیث ابی ھریرۃ فانّہٗ عِندنَا'' (یعنی ابوہریرہؓ کی حدیثوں کے بھیجنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں)'' (۱۱۹)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور تالیف ان کے شاگرد بشیر بن نہیک نے مرتب کی۔ دارمی (۱۲۰) نے روایت کی ہے: ''بشیر کہتے ہیں: میں ابوہریرہؓ سے جو کچھ سنتا تھا لکھتا جاتا تھا۔ جب میں نے ان سے رخصت ہونا چاہا تو ان کے پاس ان کی کتاب لایا اور انہیں پڑھ کر سنائی اور ان سے کہا: یہ وہ چیز ہے جو میں نے آپ سے سنی ہے! انہوں نے کہا: ہاں''۔

ابن وہب کہتے ہیں مجھے ابوہریرہؓ نے ایک مرتبہ اپنی کتابیں دکھائیں (۱۲۱)۔ ان کی کتابوں کا ایک اہم واقعہ جو غالباً ان کی پیرانہ سالی کے زمانے کا ہے۔ قابل ذکر ہے۔ عمرو بن امیّہ الضمری اوّلین اسلامی سفیر اور عہد نبوی کے بہت ممتاز سفارتی افسر تھے، ان کے ایک فرزند کی جو ابوہریرہؓ کے شاگرد تھے، روایت ہے:-

> تحدثت عن ابی ھریرۃ بحدیثٍ فانکر، فقلت: انی قد سمعتہ منک، فقال: ان کنت سمعتہ منی فھو مکتوب عندی، فاخذ بیدی الی بیتہ فار انا کتبا کثیرۃ من حدیث رسول اللہ ﷺ فوجد ذٰلک الحدیث. فقال: قد اخبرتک ان کنت حدثتک بہ فھو مکتوب عندی (۱۲۲).
>
> میں نے ابوہریرہؓ کی ایک حدیث (انہی سے) بیان کی انہوں نے ناواقفیت ظاہر کی، میں نے کہا کہ میں نے اسے آپ ہی سے سنا ہے۔ کہا: اگر تم نے اسے مجھ سے سنا ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہم کو حدیث نبوی کی بہت سی کتابیں دکھائیں اور پھر وہ حدیث بھی پائی۔ پھر کہا: میں نے تم

سے کہا تھا کہ اگر میں نے وہ حدیث تم سے بیان کی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔

الصحیفۃ الصحیحۃ

حضرت ابوہریرہؓ کے اور بھی شاگرد تھے، جن میں سے ایک زیراشاعت رسالے کے ''مولف'' ہمام بن منبہ بھی ہیں۔ اور یہ تالیف بعینہ محفوظ ہونے سے تاحال دستیاب شدہ کتب حدیث میں قدیم ترین ہے۔ کیوں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی وفات ۵۸ھ یا اس کے لگ بھگ زمانے میں (۱۴۳) بیان کی جاتی ہے۔ ابوہریرہؓ بھی یمنی تھے اور ہمام بھی یمن ہی کے باشندے تھے۔ جب ہمام تعلیم کے لئے مدینہ آئے تو فطری تقاضے سے وہ اپنے ممتاز ہم وطن ابوہریرہؓ ہی کے پاس حاضر ہوئے۔ ابوہریرہؓ نے اس نوجوان ہم وطن کے لئے رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں میں سے کوئی ڈیڑھ سو کا انتخاب کیا۔ یہ زیادہ تر تربیت اخلاق کے متعلق ہیں اور ان حدیثوں کو ایک چھوٹے سے رسالے کی صورت میں مرتب کر کے اپنے شاگرد ہمام کو املاء کرایا۔ اس کی ٹھیک تاریخ معلوم نہیں۔ لیکن یقیناً ابوہریرہؓ کی وفات سے قبل کا واقعہ ہے جیسا کہ نظر آئے گا، یہ اصل میں حضرت ابوہریرہؓ کی تالیف ہے جو انہوں نے ہمام بن منبہ کے لئے مرتب کی۔ اس لئے اس کا نام **"صحیفة ابی هريرة لهمام بن منبه"** ہونا چاہیئے۔ بعض حوالوں سے جیسا کہ آگے بیان ہوگا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ''الصحیفۃ الصحیحۃ'' تھا۔ یہ قرین قیاس ہے کیوں کہ ہم اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کو اگر کسی صحابی کی حدیث دانی پر رشک تھا تو وہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں۔ جنہوں نے **"الصحيفة الصادقة"** کے نام سے حدیثوں کا ایک مجموعہ چھوڑا ہے کوئی تعجب نہیں اس کا دیکھا دیکھی انہوں نے اپنی تالیف حدیث کا نام صحیفہ صحیحہ رکھا ہو۔

بہرحال پہلی صدی ہجری کے تقریباً وسط کی یہ تالیف تاریخی نقطہ نظر سے ایک گراں مایہ یادگار ہے جو لوگ کہتے یہ ہیں کہ حدیث نبوی آنحضرت ﷺ کے دو تین سو سال بعد لکھی جانی شروع ہوئی اور احمد بن حنبلؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، جیسے ائمہ کو بھی جعلساز قرار دینا چاہتے ہیں، ان کی دلیل زیادہ تر یہی رہی ہے کہ عہد نبوی یا عہد صحابہ کی حدیث کے متعلق کوئی یادگار موجود نہیں ہے۔ اب عہد صحابہ کی یہ یادگار ہمارے ہاتھ میں ہے اور مقابلہ کرنے پر نظر آتا ہے کہ بعد کے مولفوں نے مفہوم تو کیا، کوئی لفظ تک نہیں بدلا ہے۔ صحیفہ ہمام کی ہر حدیث نہ صرف صحاح ستہ میں ابوہریرہؓ کے حوالے سے ملتی ہے، بلکہ مماثل مفہوم دوسرے صحابہ سے بھی ان کتابوں میں ضروری ملتا اور اس بات کا ثبوت دیتا

ہے کہ اس کا انتساب جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف فرضی اور بے بنیاد نہیں مثلاً زیرِاشاعت رسالے کی حدیث نمبر (۵۶) حضرت انسؓ کے اور نمبر (۱۲۴) ابن عمرؓ کے حوالے سے بھی بخاری نے روایت کی ہے۔

ہمام بن منبہ

ہمام بن منبہ کے حالات جو بھی ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں: طبقات ابن سعد میں لکھا ہے[۱۲۴]: ''وہب بن مُنَبّہ کی وفات صنعاء میں ۱۱۰ھ میں ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے آغاز میں ہوئی۔ رہے ہمام بن منبہ جو ابناء[۱۲۵] میں سے ہیں اور جو اپنے بھائی وہب بن منبہ سے عمر میں بڑے تھے، وہ ابوہریرہؓ سے (تعلیم کے سلسلے میں) ملے اور ان سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کی وفات وہب سے پہلے ہوئی یعنی سنہ ایک سو ایک یا دو ہجری میں۔ ان کی کنیت ابوعقبہ تھی''۔

مزید تفصیل ابن حجر نے تہذیب التہذیب[۱۲۶]، میں دی ہے جو یہ ہے: ''ہمام بن منبہ بن کامل بن شیخ[۱۲۷] الیمانی ابو عقبہ الصنعانی الابناوی نے ابوہریرہؓ، معاویہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور الزبیرؓ سے روایتیں کی ہیں۔ اور خود ان سے ان کے بھائی وہب بن منبہ، ان کے بھتیجے عقیل بن معقل بن منبہ، علی بن الحسن بن آتش اور معمر بن راشد نے روایتیں کی ہیں۔ اسحاق بن منصور نے ابن معین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ (ہمام) ثقہ تھے۔ ابن حبان نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب الثقات میں کیا ہے۔ المیمونی نے احمد سے روایت کی ہے کہ یہ (ہمام) غزوات (اسلامی جنگوں) میں حصہ لیا کرتے اور اپنے بھائی وہب کے لئے کتابیں خریدا کرتے تھے۔ انہوں نے ابوہریرہؓ کے پاس زانوئے شاگردی تہہ کیا اور ان سے حدیثیں سنیں جو تقریباً ایک سو چالیس ہیں، سب کی سب ایک اسناد رکھتی ہیں۔ معمر نے ان کا زمانہ پایا جب کہ یہ بوڑھے ہو گئے اور ان کی بھوئیں (حاجب) ان کی آنکھوں پر گر گئی تھیں۔ ہمام نے ان (معمر) کو یہ (حدیثیں) پڑھ کر سنانی شروع کیں لیکن جب تھک گئے تو معمر نے (رسالہ) ہاتھ میں لے لیا اور باقی کو خود پڑھ کر سنایا۔ عبدالرزاق (راوی) یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ کون سا حصہ انہوں نے پڑھا اور کون سا ان کو پڑھ کر سنایا گیا۔ ابن سعد نے کہا کہ ان کی وفات سنہ اکتیس (احدی وثلثین[۱۲۸]) میں ہوئی۔ بخاری کا بیان ہے کہ علی نے بیان کیا: میں نے ایک شخص سے جو ہمام بن منبہ سے ملا تھا پوچھا کہ ہمام کی وفات کب ہوئی؟ کہا سنہ دو میں[۱۲۹] اور ابن عُیینہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہا کہ میں ہمام کی آمد کا دس برس تک انتظار کرتا رہا۔ میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ ابن سعد[۱۳۰] الخلیفہ اور ابن حبان نے بیان کیا ہے کہ ان کی وفات سنہ

اکتیس یا بتیس میں ہوئی۔ العجلی نے بیان کیا ہے کہ یہ یمنی، تابعی اور ثقہ تھے"۔

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون[۱۳۱] میں لکھا ہے کہ "الصحیفة الصحیحة"مولفہ، ہمام بن منبہ المتوفی ۱۳۱ھ یہ وہی ہے جسے انہوں نے بروایت ابی ہریرہؓ تالیف کیا۔ "کتبھا عن ابی ھریرۃ"[۱۳۲]۔

صحیفہ ہمام کا تحفظ

بہرحال ہمام بن منبہ نے اپنے استاد سے حدیثوں کا جو مجموعہ حاصل کیا تھا، اسے نہ تو ضائع کیا اور نہ اپنی ذات کی حد تک مخصوص رکھا، بلکہ اپنی نوبت پر اسے اپنے شاگردوں تک پہنچایا اور رسالہ زیر تذکرہ کی روایت یا تدریس کا مشغلہ انہوں نے پیرانہ سالی تک جاری رکھا۔ یہ درس بہتوں نے لیا ہوگا لیکن خوش قسمتی سے انہیں ایک صاحب ذوق شاگرد معمر بن راشد یمنی[۱۳۳] بھی مل گئے جنہوں نے بغیر حذف و اضافہ اس رسالہ کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا۔ معمر کو بھی ایک ممتاز اہل علم بطور شاگرد مل گئے۔ یہ عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری[۱۳۴] تھے۔ یہ بھی اسی ملک کے چشم و چراغ ہیں جس کے بارے میں حدیث نبوی وارد ہے کہ "الایمانُ یمانٍ"(ایمان یمن والوں میں ہے)۔

جہاں تک زیر اشاعت صحیفے کا تعلق ہے۔ عبدالرزاق نے بجنسہٖ روایت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا علم کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں دو بڑے ہی اچھے شاگرد ملے، ایک امام احمد بن حنبل[۱۳۵] اور دوسرے ابوالحسن احمد بن یوسف السلمی، ان دونوں نے ہمارے صحیفے کی خاص خدمت کی، امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی ضخیم تالیف "المسند کے باب ابوہریرہ" کی ایک خاص فصل میں بلا حذف و اضافہ ضم کر دیا اور جب تک مسند احمد بن حنبل دنیا میں باقی ہے۔ صحیفہ ہمام کے بھی باقی رہنے کا سامان کر دیا۔ دوسرے شاگرد سلمی نے اس صحیفے کی مستقل روایت کا سلسلہ جاری رکھا، اور ان کو اور ان کے شاگردوں کو نسلاً بعد نسلٍ ایسے شاگرد رشید ملتے گئے جنہوں نے اس قابل قدر یادگار کو آلائش سے پاک اور حفاظت سے رکھا۔ چند نسلوں بعد عبدالوھاب ابن مندہ اصفہانی کا زمانہ آیا تو ان کے دو شاگردوں نے اس رسالہ کی حفاظت کا اپنی اپنی جگہ سامان کیا۔ ایک تو ابوالفرج مسعود بن الحسن الثقفی جن کے سلسلے میں محمد ابن جہبل اور اسماعیل بن جماعہ جیسے ممتاز مشاہیر کے نام ملتے ہیں اور کم از کم ۸۵۶ھ تک باقاعدہ درس اور روایت کی اجازت دینے کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسرے ان عبدالوہاب ابن مندہ کے دوسرے شاگرد محمد بن احمد اصفہانی ہیں، جن کے شاگرد ایک خراسانی عالم محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن مسعود المسعودی البندہی (پنجدہی[۱۳۶]) نے صلیبی جنگوں کے زمانے میں ۵۷۷ھ میں مدرسہ قاصریہ صلاحیہ میں (جو سلطان صلاح الدین نے دمیاط یعنی مصر میں قائم کیا تھا) اس کا درس دیا،

اتفاق سے یہ اصل نسخہ محفوظ ہے اور ۶۷۰ھ یعنی تقریباً پوری ایک صدی تک اسی نسخے پر نسلاً بعد نسلٍ علماء نے اپنے درس کا مدار رکھا اور اس میں اپنی درس دہی اور حاضر الوقت طلبہ کے نام وغیرہ درج کر کے دستخط کیے۔ اس سماع سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بندہی جو الملک الافضل بن سلطان صلاح الدین کے استاد تھے، ان کے درس میں دمیاط کا فوجی گورنر تنیس اور دمیاط کے متعدد اساتذہ و فضلاء بھی حاضر تھے۔ فیض علم کے ان جاری رکھنے والوں کا شجرہ یوں بنتا ہے:-

رسول اکرم ﷺ (۵۳ھ قبل ہجرت تا ۱۱ھ)

ابوہریرہؓ (فوت ۵۸ھ)

ابو عقبہ ہمام بن منبہ (فوت ۱۰۱ھ)

ابوعروہ معمر بن راشد (فوت ۱۵۳ھ)

ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع ۱۲۶ھ تا ۲۱۱ھ)

امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ

مطبوعہ

احمد بن یوسف السلمی

ابوبکر محمد بن الحسین القطان (ف ۳۰۲ھ)

ابراہیم بن محمد القطان)

محمد بن اسحاق ابن مندہ (۳۱ھ تا ۳۹۵ھ)

عبدالوہاب بن محمد ابن مندہ

مسعود بن الحسن الثقفی

محمود بن ابراہیم ابن مندہ

محمد بن محمد بن محمد بن ہبۃ اللہ بن جہبل

القاسم بن محمود بن مظفر بن عساکر

ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد

عبداللہ ابن جماعہ

اسماعیل ابن جماعہ

مخطوطہ برلین

محمد بن احمد بن محمد الاصبہانی

محمد بن عبدالرحمٰن المسعودی البندہی

مخطوطہ دمشق

جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا، صحیفہ ہمام کی جہاں نسلاً بعد نسلٍ مستقل اور علیحدہ روایت کا سلسلہ جاری رہا، وہیں بعض محدثوں نے اس کو اپنی تالیفوں میں کاملاً ضم یا جزاً مدغم بھی کر لیا۔ ان میں سے امام احمد بن حنبل نے چونکہ مولف یا راوی وار حدیثیں مرتب کیں، اس لئے ان کے لئے ممکن تھا کہ صحیفہ ہمام کو بجنسہ محفوظ رکھیں اور انہوں نے یہی کیا بھی ہے[۱۳۷]۔ اس سے جہاں صحیفہ ہمام کے نودستیاب شدہ مخطوطے کی صحت کی توثیق ہوئی ہے، وہیں خود اس مخطوطے سے مسند احمد بن حنبل کے قابل اعتماد ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اللہ نے اس طرح ان دونوں خادمانِ علم کو جزا دیتے ہوئے آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی سرخرو کر دیا ہے۔ البتہ دوسرے محدث چونکہ موضوع وار حدیثیں مرتب کرتے رہے، مثلاً امام بخاری، عبدالرزاق اور معمر بن راشد وغیرہ، انہوں نے مجبوراً صحیفہ ہمام کی حدیثوں کو اپنی کتابوں کے مختلف ابواب میں منتشر کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر سرسری تلاش میں صحیفہ ہمام کی مندرجہ ذیل حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صحیفہ ہمام ہی کے حوالے سے ملتی ہیں اور بغیر کسی نقطے کے فرق کے:

نمبر حدیث ہمام	بخاری	مسلم
۱	کتاب الایمان والنذور باب اول حدیث نمبر۴ (۸۳/۱)	کتاب الجمعہ ج۱، صفحہ ۲۸۲، اصح المطابع، دہلی
۲		الفضائل ج۲ ص ۲۴۸
۴		ایضاً
۶	الادب باب ماینہی عن التحاسد ۷۸/۵۷	
۷		الجمعہ ج۱ ص ۲۸۱
۸		المساجد ج۱ ص ۲۲۷
۱۰		الصلاۃ ج۱ ص ۱۷۶
۱۱		الحج ج۱ ص ۴۲۵
۱۲		الجنۃ ج۲ ص ۳۸۱
۱۴	الایمان والنذور باب ثالث حدیث نمبر۹ (۸۳/۳)	
۱۴(الف)	العتق باب اذا ضرب العبد (۴۹/۲۰)	

۱۷		قتل الحیات ج۲ ص ۲۳۶
۱۸		الامارۃ ج۲ ص ۱۳۳
۲۳	مناقب باب علامات النبوۃ (۶۱/۲۴ حدیث نمبر۳۵)	الفتن ج۲ ص ۳۹۰
۲۴	مناقب باب علامات النبوۃ (۶۱/۲۴ حدیث نمبر ۳۵)	
۲۵	تفسیر سورۃ انعام آخری حدیث (۱۶)	الایمان ج۱ ص ۸۸
۲۶۔		الصلاۃ باب الاذان ج۱ ص ۱۶۸
۲۷	توحید باب کان عرشہ علی الماء (۹۷/۵ حدیث نمبر۳)	الزکاۃ ج۱ ص ۳۲۲
۲۹	الجہاد و السیر باب الحرب خدعۃ (۵۶/۱۵۵)	الجہاد والسیر ۲ ص ۸۳، الفتن ج۲ ص۳۹۶
۳۰	التوحید باب یریدون ان یبدلوا (۹۷/۳۵ حدیث نمبر۵)	الفضائل ج۲ ص ۲۶۴
۳۳	---	الذکر والدعا ج۲ ص ۳۴۶
۳۵	---	الطہارۃ ج۱ ص ۱۳۷
۳۶	---	المساجد و مواضع الصلاۃ ج۱ ص ۲۳۲
۳۷	---	ایضاً، ص ۲۰۰
۳۹	القدر باب القاء النذر (۸۲/۶ حدیث نمبر۲)	---
۴۰	---	الزکاۃ ج۱ ص ۳۲۲
۴۱	انبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم (۶۰/۴۷ حدیث نمبر۸	--- الفضائل، فضل عیسیٰ ج۲ ص ۲۶۵
۴۳	الاذان (باب اقامۃ الصف (۱/۴۲)	الصلاۃ ج۱ ص ۱۷۷
۴۴	الاذان (ایضاً)	ایضاً ص ۱۸۲
۴۵	---	القدر ج۲ ص ۲۳۵
۴۶	الغسل باب من اغتسل عریانا (۵/۲۰) انبیاء باب و ایوب اذنادی ۶۰/۲۲ التوحید باب	

	یریدون ان یبدّلوا ۹۷/۳۵، نمبر۳)	
۴۷	انبیاء باب و آتینا داوٗد (۶۰/۳۷) التفسیر سورہ بنی اسرائیل	---
۴۹	الاستئذان باب تسلیم القلیل (۷۹/۴)	---
۵۱	التفسیر (سورہ ق) حدیث نمبر۳	الجنۃ، باب جہنم ج۲ ص ۳۸۲
۵۳	---	الایمان ج۱ ص ۷۸
۵۵	---	الایمان ج۱ ص ۷۸
۵۷	انبیاء باب واذ قال ربک (۶۰/۲ حدیث نمبر۵)	
۵۸	ایضاً، استئذان باب بدء السلام (۷۹/۱)	الجنۃ ج۲ ص ۳۸۰
۵۹	کتاب بدء الخلق باب وفاۃ موسیٰ (۶۰/۳۲)	الفضائل (موسیٰ) ج۲ ص ۲۶۷
۶۰	الغسل من اغتسل عریانا (۵/۲۰)	الطہارۃ ج۱ ص۱۵۴، الفضائل (موسیٰ) ج۲ص ۲۶۶
۶۲		البیوع ج۲ ص ۱۸
۶۳		الادب ج۲ ص ۲۰۸
۶۴		اللباس ج۲ ص ۱۹۵
۶۶	القدر باب: اللہ اعلم بما کانوا عاملین ۸۲/۳ نمبر۳	القدر ج۲ ص ۳۳۶
۶۷		الفتن ج۲ ص ۴۰۷
۶۹		الطہارۃ ج۱ ص ۱۳۶
۷۰	الجہاد والسیر باب من اخذ الرکاب ۵۶/۱۲۶	الزکاۃ ج۱ ص ۳۲۵
۷۱	الحیل (باب الزکاۃ (۹۰/۳ حدیث نمبر۲)	
۷۲	الحیل (ایضاً)	
۷۳		الطہارۃ ج۱ ص ۱۳۸
۷۵	النکاح باب صوم المرأۃ (۶۷/۸۵)	الزکاۃ ج۱ ص ۳۳۰

۷۶		الذکر والدعاء ج۲ ص ۳۴۲
۷۷		الفاظ من الادب ج۲ ص ۲۳۸
۷۸	انبیاء باب حدیث الغار (۶۰/۴۹ حدیث نمبر۱۴)	الاقضیہ ج۲ ص ۷۷
۷۹		التوبۃ ج۲ ص ۳۵۴
۸۰		الذکر والدعا ج۲ ص ۳۴۱
۸۱		الطہارۃ ج۱ ص ۱۲۴
۸۲	المتمنی باب تمنی الخیر (۹۴/۲)	
۸۴	الجزالعاشر باب الرمصن	الفاظ من الادب ج۲ ص ۲۳۸
۸۵	بدء الخلق باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ (۵۹/۸) حدیث نمبر۶	الجنۃ ج۲ ص ۳۷۹
۸۷		الجہاد والسیر ج۲ ص ۸۵
۸۸		البر والصلۃ ج۲ ص ۳۲۷
۸۹		الایمان ج۱ ص ۵۶
۹۱		الصلاۃ ج۱ ص ۱۸۰
۹۲	الوضوء باب ما یقع من النجاسات (۴/۷۰ حدیث نمبر۳)	الامارۃ ج۲ ص ۱۳۳
۹۴	القطۃ باب اذا وجد تمرۃ (۴۵/۵)	الزکاۃ ج۱ ص ۳۴۴
۹۵	الایمان والنذور باب اول حدیث نمبر۴ (۸۳/۱)	
۹۷		البیوع ج۲ ص ۵
۹۹	الفتن باب من حمل علینا السلاح (۹۲/۷)	البر والصلۃ ج۲ ص ۳۲۸
۱۰۰	المغازی باب ما اصاب النبی ۱۴/۲۵، حدیث نمبرا	
۱۰۱		الجہاد والسیر ج۲ ص ۱۰۸
۱۰۳	الایمان باب حسن السلام المرء (۲/۳۲)	

۱۰۷		المساجد ج۱ ص ۲۲۴
۱۰۸	الوضوء باب لاتقبل صلاۃ بغیر طہور (۴/۲) الحیل باب فی الصلاۃ ۹۰/۲)	الطہارۃ ج۱ ص ۱۱۹
۱۰۹		المساجد ج۱ ص ۲۲۰
۱۱۰		الامارۃ ج۲ ص ۱۳۷
۱۱۳	انبیاء باب طوفان حدیث الخضر (۶۰/۲۸) حدیث نمبر۲	
۱۱۵	انبیاء باب بعد حدیث الخضر (۶۰/۲۹)	الزہد ج۲ ص ۴۱۹
۱۱۶		صلاۃ المسافرین ج۱ ص ۲۶۷
۱۱۸		الأیمان ج۲ ص ۵۳
۱۱۹	الصلاۃ باب دفن النخامۃ (۸/۳۸۱)	
۱۲۲	التوحید باب قول اللہ تؤتی الملک من تشاء (۹۷/۳۱، حدیث نمبر۱۴)	
۱۲۳	النکاح فرض الخمس باب احلت لکم الغنائم (۵۷/۸، حدیث نمبر۶)	الجہاد والسیر ج۲ ص ۸۵
۱۲۴	التعبیر باب الاستراحۃ (۹۱/۳۰)	
۱۲۵	المناقب باب علامات النبوۃ ۶۱/۲۴ حدیث نمبر۱۸	
۱۲۶	ایضاً	
۱۲۸		الامارۃ ج۲ ص ۱۱۹
۱۳۰	الطب باب العین حق (۷۶/۳۶) ا اللباس باب الواشمۃ (۷۷/۸۶)	السلام ج۲ ص ۲۲۰
۱۳۳		الفضائل (عیسیٰ) ج۲ ص ۲۶۵

۱۳۴ المغازی باب وفد بنی حنفیہ ۶۴/۷۰، حدیث نمبر۳ — الرؤیا ج۲ ص ۲۴۴
التعبیر باب النفخ فی المنام ۲۹/۴۰

۱۳۸ — الجہاد والسیر، ج۲ ص ۸۹

ممکن ہے زیادہ دیدہ ریز تلاش پر بخاری و مسلم ہی میں مزید حدیثیں صحیفہ ہمام کے حوالے سے ملیں۔ مذکورہ بالا حوالوں میں سے بعض کے لئے میں ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب کی نوازشوں کا ممنون ہوں--- یہاں ان حدیثوں سے بحث نہیں جو صحیفہ ہمام میں تو ہیں، لیکن بخاری و مسلم نے کسی دوسرے ماخذ (راوی) سے لے کر درج کی ہیں، صحیفہ ہمام سے نہیں۔

بہرحال فہرست بالا سے نظر آئے گا کہ صحیفہ ہمام کی کل (۱۳۸) حدیثوں میں سے (۹۱) صحیحین میں موجود ہیں۔ (۲۳) دونوں میں ہیں، مزید برآں (۲۵) صرف بخاری کے ہاں، اور (۴۳) صرف مسلم کے ہاں ہیں۔ مسلم کے الفاظ اکثر یہ ہیں:

حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها، وقال رسول الله ﷺ---

(یعنی معمر نے ہمام کے حوالے سے حدیث بیان کی اور کہا کہ یہ حدیث ابوہریرہ نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بیان کی۔ پھر کئی حدیثوں کا ذکر کیا جن میں یہ ہے کہ "فرمایا رسول اللہ ﷺ نے--")

یہ امر بڑا تاثر انگیز ہے کہ باوجود صدیوں کا فصل ہونے، اور درمیان میں راویوں کی نسلوں کی نسلیں گزر چکی ہونے کے، ان حدیثوں کا مفہوم تو کیا، کوئی نقطہ، کوئی شوشہ تک نہیں بدلتا، اس انسانی احتیاط اور دیانت داری کے سامنے ادب سے سر جھکائے بغیر چارہ نہیں۔

مذکورہ بالا تخریج احادیث سے ہمارا منشا اس بحث کے ایک پہلو کو واضح کرنا اور بطور مثال و نمونہ چند حوالے دینا ہے اور بس، اسی لئے دیگر کتب حدیث مثلاً جامع معمر بن راشد، مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں مندرج شدہ احادیث صحیفہ ہمام کی کاملاً تلاش غیر ضروری سمجھی گئی۔

البتہ ایک امر کہے بغیر گزرنا مناسب نہیں استاد شاگردوں کا یہ شجرہ ملاحظہ ہو:

امام بخاری مؤلف کتاب الجامع الصحیح (مطبوعہ)

از امام احمد بن حنبل، مولف کتاب المسند (مطبوعہ)

از عبدالرزاق، مولف کتاب المصنف (مخطوطات)
از معمر بن راشد، مولف کتاب الجامع (مخطوطات)
از ہمام بن منبہ، مولف الصّحیفہ الصحیحہ (یعنی کتاب ہذا)

اگر ایک حدیث امام بخاری کے بیان کے مطابق مذکورہ بالا سند سے مروی ہے تو جب تک ان کے ان اساتذہ کی کتابیں موجود نہ تھیں۔ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ شاید امام بخاری نے سچ نہ کہا ہو، لیکن اب یہ ساری کتابیں دستیاب ہو جانے سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ مثلاً امام بخاریؒ نے کوئی چیز من گھڑت اور جعلسازی کر کے یا جعلسازوں سے سن کر نہیں لکھی بلکہ اسناد میں ماخذ در ماخذ کا جو سلسلہ دیا ہے، وہ پورے کا پورا واقعی و حقیقی بھی ہے اور اب بتمامہ ہمارے سامنے آ جانے سے ان کی صداقت کی جانچ بھی ممکن ہو گئی ہے اور یہ سب کے سب سچے ثابت ہوئے ہیں، اور کس شان کے ساتھ۔

ظاہر ہے کہ امام بخاری وغیرہ کی تالیفوں سے موجودہ مخطوطے کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بجز اس کے کہ تخریج احادیث کی جائے۔ البتہ مسند احمد بن حنبل سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ جہاں وہ بجنسہٖ نقل کر دیا گیا ہے اس مقابلہ پر نظر آتا ہے کہ:-

۱۔ مسند احمد حنبل اور ہمارے مخطوطات میں احادیث کی ترتیب یکساں ہے بجز احادیث نمبر ۱۳، ۹۳، ۱۲۶، ۱۳۸ کے جن میں تقدم و تاخر ہوا ہے لیکن الفاظ بعینہٖ وہی ہیں۔

۲۔ مسند ابن حنبل میں ایک پانچ لفظی مختصر حدیث ہے جو ہمارے مخطوطوں میں نہیں ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۱۴ کا حاشیہ) اس کے برخلاف مخطوطوں کی حدیث نمبر۵ مسند احمد حنبل میں حذف ہو گئی ہے۔ ہم نے مسند ابن حنبل کے مطبوعہ نسخے پر اعتماد کیا ہے۔ اس میں طباعت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اس کا نیا ایڈیشن جو متعدد قدیم مخطوطوں سے مقابلہ کر کے شائع ہو رہا ہے، ابھی تک اس حصے تک نہیں پہنچا جہاں صحیفہ ہمام درج ہے۔

۳۔ ہمارے مخطوطوں کی حدیثوں (۲۹، ۴۰) میں ''وسمی الحرب خدعۃ'' کا جملہ دہرایا گیا ہے۔ مسند ابن حنبل میں یہ صرف حدیث نمبر (۴۰) میں ایک بار آیا ہے۔ نمبر (۲۹) میں نہیں۔

۴۔ بعض ذیلی چیزوں میں، جن سے اصل حدیث پر اثر نہیں پڑتا، دونوں میں کہیں کہیں فرق ہے۔ مثلاً لفظ ''اللہ'' کے بعد کسی میں ''تعالیٰ'' ہے تو کسی میں ''عزوجل'' یا کسی میں ''نبی'' ہے تو کسی میں ''رسول اللہ'' یا ''ابوالقاسم'' جو سب مترادفات ہیں۔

۵۔ چند ایسے خفیف فرق ہیں جو عام طور پر ایک ہی کتاب کے دو مخطوطوں میں ملتے ہیں چنانچہ مخطوطہ دمشق و مخطوطہ برلین میں باہم جو فرق ہے، مخطوطوں اور مسند ابن حنبل کے مابین بھی اسی طرح کا فرق ہے۔ جس سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ تمام فرق حاشیے میں درج کر دیئے گئے ہیں۔

اسناد

ماخذ معلومات کا حوالہ بیان کرنا، اور کوئی پرانا واقعہ ہو تو اپنے استاد کے نام ہی پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ استاد کے استاد اور ان کے اساتذہ کے مکمل ناموں کا سلسلہ چشم دید، یا گوش شنید واقف کار تک پہنچانا یہ اسلامی مورخوں اور مولفوں کی اہم خصوصیت رہی ہے۔ مسلمانوں میں اس کی ابتداء اور دیگر اقوام میں اس کے کم معروف ہونے پر ایک دلچسپ بحث پروفیسر ڈاکٹر زبیر صدیقی نے کی ہے(۱۳۸)۔

زیر اشاعت رسالے کے مخطوطہ دمشق کی سند یہ ہے: محمد بن عبدالرحمٰن پنجدہی، از محمد بن احمد اصفہانی، از عبدالوہاب بن محمد ابن مندہ، از والد خود محمد بن اسحاق ابن مندہ، از محمد بن الحسین القطان، از احمد بن یوسف السلمی، از عبدالرزاق بن ہمام بن نافع، از معمر، از ہمام بن منبہ، از ابوہریرہؓ، از رسول اللہ ﷺ --- یہ سب پونے چھ سو سال کی سرگزشت ہے۔

لیکن انسان خطا و نسیان سے مرکب ہوتا ہے، چنانچہ بہ ظاہر سہو کاتب سے ایک درمیانی نام چھوٹ گیا ہے۔ کیونکہ ان گیارہ نسلوں میں سے چوتھی کڑی پر بیان ہوا ہے کہ محمد بن اسحاق ابن مندہ نے اسے محمد بن الحسین القطان سے سنا، قصہ یہ ہے کہ ابن مندہ کی ولادت ۳۱۰ھ میں ہوئی جبکہ ان کے مبینہ استاد القطان کی کوئی آٹھ سال پہلے ۳۰۲ھ میں وفات ہو چکی تھی(۱۳۹)۔ ظاہر ہے کہ استاد شاگرد کا تعلق ناممکن ہے۔ ابن مندہ اور القطان کے درمیان کی ایک کڑی گم ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ ایک سہو کتابت ہے اور ایک پوری سطر چھوٹ گئی ہے اور اس کے محسوس نہ ہونے کا باعث یہ ہے کہ اس میں صرف ایک نام، یعنی سلسلہ اسناد کی صرف ایک کڑی تھی اور اتفاق سے اس کا اور اس کے بعد کی سطر کا آغاز یکساں الفاظ سے ہو رہا ہے اس لئے نقل کنندہ کاتب کی نظر سے چھوٹ گئی۔

اس مفروضے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح عبدالوہاب ابن مندہ نے اپنے باپ سے تعلیم حاصل پائی اور اس رسالے کی روایت کی، اسی طرح محمد بن الحسین القطان سے بھی ان کے بیٹے نے تعلیم پائی اور حدیثوں کی روایت کی ہے جیسا کہ سمعانی نے (کتاب الانساب، تحت مادہ قطان) صراحت

سے بیان کی ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسناد کی اصل عبارت یوں ہوگی کہ:

اخبرنا والدی الامام ابو عبدالله محمد بن اسحاق، قال: اخبرنا (ابو اسحاق ابراهیم بن محمد بن الحسین القطان قال: اخبرنا والدی الامام(۱۴۰)) ابوبکر محمد بن الحسین---- الخ

ہمیں خبر دی میرے والد امام ابوعبداللہ محمد بن اسحاق نے، کہا ہمیں خبر دی (ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن الحسین القطان نے کہا: ہمیں خبر دی میرے والد امام) ابوبکر محمد بن الحسین--- نے، الخ

جیسا کہ نظر آئے گا، ''محمد بن اسحاق'' کے بعد ہی ''ابواسحاق'' کا لفظ آیا اور پھر ''اخبرنا والدی الامام'' کے الفاظ پے در پے دو سطروں میں دہرائے گئے بے چارے کاتب کی نظر چوک گئی اور بعد میں کسی نے اسے محسوس نہ کیا تو اسے معذور رکھا جا سکتا ہے۔ یہ یوں بھی سلسلہ کی رسمی چیز کے ایک دو نہیں بارہ ناموں میں ایک کا اتفاقاً چھوٹ جانا ہے۔ اس سے کتاب کے اصل متن یعنی حدیثوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہ سہو کب ہوا؟ اس سوال کا بھی جواب دینا ممکن نظر آتا ہے۔ یہ سہو نہ صرف دمشق کے مخطوطے میں ہے، بلکہ برلین کے مخطوطے میں بھی اور دونوں کے اسنادات عبدالوہاب بن محمد ابن مندہ پر آ کر ملتی اور پھر مشترک ہو جاتی ہیں، جیسا کہ اوپر شجرہ دے کر بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالوہاب بن مندہ کے لئے جو نسخہ تیار ہوا اسی میں یہ سہو ہوا تھا۔

یہ امر کہ یہ محض سہو ہے اور یہ کہ اس سے اصل متن پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس بات سے بھی ثابت ہے اس سہو کے تقریباً دو سو سال پہلے اس کتاب کے پورے متن کو ایک اور مولف، امام ابن حنبل اپنی جگہ محفوظ کر چکے تھے اور آج ان دونوں ماخذوں (مسند ابن حنبل اور مخطوطہ صحیفہ ہمام) کا باہمی مقابلے کرنے پر دونوں بالکل یکساں پائے جاتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ سہو کاتب سے اصل کتاب پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ جہاں مسند ابن حنبل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بعد کی صدیوں کے محدثوں نے صحیفہ ہمام کے دیانت دارانہ تحفظ میں کوئی کوتاہی نہ کی، تو ساتھ ہی صحیفہ ہمام کے نو دستیاب شدہ مخطوطوں سے خود اس کا بھی یقین ہو جاتا ہے کہ امام ابن حنبلؒ نے پوری علمی دیانت داری سے صحیفہ ہمام کے متعلق اپنے معلومات محفوظ کئے ہیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ان کی وفات کے ساڑھے گیارہ سو سال بعد ان کی علمی دیانت داری کی جانچ ہوگی۔ اگر انہوں نے صحیفہ ہمام کی حد تک

جعل سازی نہیں کی تو اپنی مسند کے باقی اجزاء میں بھی عمداً کوئی ایسی بددیانتی نہیں کی ہوگی۔

ہمام بن منبہ کی وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی۔ انہوں نے ابوہریرہؓ سے احادیث کا یہ مجموعہ ۵۵۸ھ سے (جبکہ حضرت ابوہریرہؓ کا انتقال ہوا) پہلے ہی حاصل کیا ہوگا۔ اگر اب (۱۳۷۵ھ تک) سوا تیرہ سو سال کے عرصہ میں اسی مجموعے کی عبارت نہیں بدلی، بلکہ بجنسہٖ باقی رہی تو رسول اکرم ﷺ سے سننے اور ابوہریرہؓ کے اس کو لکھ لینے کی مختصر مدت میں اس میں تبدیل و تحریف کا امکان نہ ہونا چاہئے، خاص کر اس لئے کہ یہی حدیثیں حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا سلسلہ اسناد مختلف رہا ہے۔ بعض حدیثوں کو تو کئی کئی صحابہ نے روایت کیا ہے۔ اگر آج کی صحبت میں بے ضرورت تطویل اور تھکا دینے والے اطناب کا خوف نہ ہوتا تو اس رسالے کی ہر ہر حدیث کے متعلق تلاش کر کے یہ بتلایا جاتا کہ کس کس حدیث کی ابوہریرہؓ کے سوا مزید کس کس صحابی نے روایت کی ہے اور وہ کن کن وسائل سے محفوظ ہوتی ہوئی ہم تک آئی ہے اور کس طرح وہ باہم ایک دوسرے کی توثیق کرتی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی جانب کسی خفیف سے خفیف جعل سازی یا علمی بددیانتی کا گمان تک نہیں رہتا۔ یہ حدیثیں بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کے دیگر مولفوں نے تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اپنے دل سے نہیں گھڑیں بلکہ عصر اول سے بحفاظت چلی آنے والی چیزوں ہی کو اپنی تالیفوں میں داخل کیا۔

مخطوطوں کی کیفیت

یہ صورت حال کتب حدیث پر ہمارا اعتماد مستحکم کئے بغیر نہیں رہ سکتی اوپر بیان ہوا ہے کہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے ہمیں اب تک صرف دو مخطوطوں کا پتہ ہے۔ اور ان دونوں کا حرف بہ حرف مقابلہ کر کے یہ ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔ ان کی مختصر کیفیت بے محل نہ ہوگی۔

مخطوطہ برلین کا نمبر وہاں کی فہرست مخطوطات عربی میں (۱۳۸۴WE،۱۷۸۷) ہے۔ یہ ذخیرہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے تک برلین کے سرکاری کتب خانے میں تھا۔ دوران جنگ میں حفاظت کے لئے یہ شہر ٹیوبنگن بھیجا گیا اور آج (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) تک وہ وہیں ہے۔ وہاں صحیفہ ہمام ایک مجموعہ رسائل میں ہے۔ جن میں وہ ورق نمبر (۵۴) سے شروع ہو کر نمبر (۶۱) تک یعنی آٹھ ورقوں میں ہے۔ بیچ میں دو جگہ ایک ایک ورق گم ہو گیا ہے۔ اس کا حجم (۱۲٫۵×۱۷٫۵) سینٹی میٹر ہے۔ اور ہر صفحے میں (۱۹) سطریں آئی ہیں اور اس میں ہر حدیث ''وقال'' (اور انہوں نے کہا) کے الفاظ سے شروع ہوئی ہے جو سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ اپنے اولین سفر برلین کے وقت میں نے اپنے

ہاتھ سے اس کی نقل کی اس سے حسب استطاعت مقابلہ کیا تو آخر میں، میں نے یہ عبارت درج کی تھی:

"نَقَلَه' لفظاً مِنَ الْاَصلِ المحفوُظ فِی خزانَةِ الحُکومةِ البَروسَاوِیَّةِ فِی بَرْلَیْنَ یَومَ عَرَفَة و یَوْمًا قَبلَهُ ۱۳۵۱ من الهجرةِ وَتقابَلهُ مِنَ الاصْلِ المنقول عَنهُ بحسبِ الاستِطَاعة، محمد حمیدالله".

(محمد حمیداللہ نے اصل نسخے سے جو حکومت پروشیا کے کتب خانہ واقع برلین میں محفوظ ہے، ۱۳۵۱ ہجری میں اس کو لفظ بہ لفظ بروز عرفہ اور اس سے ایک دن پہلے نقل کیا، اور جس اصل سے یہ نقل حاصل کی گئی اس سے حسب استطاعت مقابلہ کیا)۔

یہ نسخہ بارہویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانے کا ہے۔ جب ہم نے بروکلمان[۱۴۱] کی طرف رجوع کیا تو افسوس ہوا کہ اس نے فاش غلطیاں کی ہیں۔ بروکلمان اس صحیفہ کو ہمام بن منبہ کے نام کے تحت نہیں بیان کرتا۔ جب ہم نے تلاش کو جاری رکھا تو اس کا پتہ محض اتفاقاً چلا۔ وہ اس صحیفے کو "عبدالوہاب بن محمد بن اسحاق بن مندہ المتوفی ۴۷۳ھ مطابق ۱۰۸۲ء" کی طرف منسوب کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے: "آپ کی تالیفوں میں صحیفہ ہمام بن مندہ (نام یوں ہی ہے) المتوفی ۷۶۸/۱۵۱ (سنہ اسی طرح ہے) ہے جو ابوہریرہ متوفی ۶۷۸/۵۸ سے مروی ہے" یہ غلطی طبع اول ہی میں نہیں بلکہ ضمیمہ کتاب اور جلد اول کی طبع جدید میں بھی ہے۔ اس لئے "ہمام بن مندہ" لکھا ہے حالانکہ مراد "ہمام بن منبہ" کے سوائے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح اس سے ان کی تاریخ وفات میں بھی سہو ہوا ہے (صحیح تاریخ ۱۰۱ھ ہے نہ کہ ۱۵۱ھ۔ اسی طرح اس نے عبدالوہاب ابن مندہ کی طرف منسوب کرنے میں فاش غلطی کی ہے۔ وہ تو کسی ایک زمانہ میں صرف راوی تھے۔

مخطوطہ دمشق

دمشق کا مخطوطہ اپنے ہمشیر مخطوطے پر ایسی ہی فوقیت رکھتا ہے جیسے کہ سورج کا ذاتی نور چاند کی مستعار روشنی ہو، اور وہ وہاں کتب خانہ ظاہریہ میں محفوظ ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی (کلکتہ یونیورسٹی) نے مجھے اس کا پتہ دیا اور دمشق کے ڈاکٹر صلاح الدین منجد کی مہربانی سے مجھے اس کتاب کے فوٹو فراہم ہوئے۔ یہ دونوں میرے اور ان تمام لوگوں کے شکریہ کے مستحق ہیں جو اس کتاب کے پڑھنے سے مستفید ہوں گے۔

دمشق کا یہ مخطوطہ بھی کئی رسالوں کے مجموعہ کے ضمن میں ہے لیکن یہ امتیاز رکھتا ہے کہ مکمل ہے

اور کتابت کی تاریخ کے لحاظ سے بھی برلین کے مخطوطے سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ چنانچہ چھٹی صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہی وہ اصل نسخہ بھی ہے جو درس اور سماعت میں استعمال ہوتا رہا اور متعدد مرتبہ اس پر اجازت ثبت ہوئی ہے۔ ابن عساکر مصنف ''تاریخ دمشق'' ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے اسی مخطوطے پر درس دیا ہے، وہ خوش خط ہے البتہ لکھنے والے نے اکثر جگہ حرفوں پر نقطے نہیں دیئے ہیں۔ ہر صفحہ میں ۲۱ یا ۲۲ یا ۲۳ سطریں ہیں۔ میرے پیش نظر فوٹو کا حجم جرمنی کی کتاب کے حجم کے برابر ہی ہے۔ یہ نسخہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں دمیاط (مصر) کے ایک نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ ان لڑائیوں اور فتنوں کے زمانہ میں محدثین کے پاس اسلامی درس کے جو عادات اور آداب تھے، ہم ان کو اس کی سماعتوں میں دیکھتے ہیں یہاں ان کی تفصیل کی حاجت نہیں۔

دونوں مخطوطوں میں کاتب نے روایت کے بعض اختلافات کو حاشیہ پر یوں لکھا ہے۔ ''أوخِرٌ'' یا ''أذخِرٌ'' اسی طرح ''تَرَكْتُكُمْ'' یا ''تُرِكْتُمْ''، ''يُحيُّونَكَ''، ''يُحبِيُونَكَ'' ''فَزَادُوهُ''، ''بِطَعَامِكُمْ''، ''بِطَعَامه''، ''حِيْنَ''، ''حِينَئِذٍ''. ان اختلافات سے حدیث کا مفہوم بالکل نہیں بدلتا۔ مسند ابن حنبل میں بھی ہم ایسے چند اختلافات حاشیے پر درج دیکھتے ہیں ممکن ہے کہ مسند کے نئے اور بہتر ایڈیشن میں یہ سارے اختلافات بھی مل جائیں کہ پہلا اڈیشن کسی قدر ناقص چھپا ہے۔ شاید یہ اختلافات مَعْمَر کے زمانے سے چلے آ رہے ہیں کیوں کہ انہوں نے ہمام سے صحیفہ پورے کا پورا نہیں سنا تھا، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ابن حجر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شروع میں ہمام ہی سناتے رہے۔ جب وہ اپنی شدید پیرانہ سالی کی وجہ سے تھک گئے تو ان کے شاگرد معمر نے اپنے نقل کردہ نسخے سے باقی عبارت پڑھ کر سنائی اور تھکے ہوئے استاد توجہ نہ کر سکے۔ پرانے عربی خط کی خامیوں کو قرأت سماعت کے ذریعہ سے کنٹرول کیا جاتا تھا جو یہاں پوری طرح نہ ہو سکا۔

حدیث لکھنے کی ممانعت یا کراہیت

ایسی حدیثیں یا صحابہ و تابعین کی ذاتی رائیں بھی ملتی ہیں جن میں حدیث کے لکھنے کی ممانعت نظر آتی ہے، اس کی تحقیق کے بغیر یہ بحث تشنہ رہے گی۔

اس بارے میں سب سے اہم روایت (۱۴۲) حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لاتكتبوا عني شيئًا سوى القرآن، فمن كتب عنّي غير القرآن فَلْيَمحُهُ.

مجھ سے قرآن کے سوا کوئی اور چیز قلمبند نہ کرو، اگر کسی نے قرآن کے سوا مجھ سے (سنی

ہوئی) کوئی چیز لکھی ہو تو اسے مٹا دے۔

یہی روایت حضرت ابوہریرہؓ نے بھی کی ہے(۱۴۳)۔

ان ہی ابوسعید خدریؓ کی ایک اور روایت ہے: ''میں نے نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی کہ حدیث لکھوں تو آپ نے مجھے اجازت دینے سے انکار فرمایا(۱۴۴)''۔ روایت سنن دارمی(۱۴۵) میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: ''لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی کہ آپ سے (سنی ہوئی باتیں) لکھیں تو آپ نے انہیں اجازت عطا نہ فرمائی''۔ زید بن ثابتؓ کے الفاظ میں ''رسول کریم ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ آپ کی حدیث کی کوئی چیز نہ لکھیں''(۱۴۶)۔

سیاق و سباق سے بچھڑا ہوا حکم کوئی اہمیت رکھتا ہے تو بعض ظریفوں نے قرآن مجید میں ''لاتقربوا الصلوٰۃ'' (نماز کے پاس پھٹکو تک نہیں) کا حکم بھی ڈھونڈ نکالا ہے مذکورہ بالا حدیث میں راوی نے ابوسعید خدریؓ سے سیاق و سباق دریافت نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کے بیان کرنے والوں میں ابوسعید خدریؓ کے علاوہ ابوہریرہؓ بھی ہیں اس لئے اس حدیث کا زمانہ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ابوہریرہ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے زمانہ میں یمن سے آ کر مسلمان ہوئے، ابوسعید خدری اور زید بن ثابت دونوں ۳ھ میں جنگ احد کے وقت اتنے کم سن تھے کہ فوج میں بھرتی ہونے کے شوق میں آئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں واپس کر دیا(۱۴۷)۔ ابوہریرہ کی ایک اور حدیث سے اس گتھی پر روشنی پڑتی نظر آتی ہے--- اگرچہ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن زید ضعیف سمجھے جاتے ہیں--- آنحضرت ﷺ ایسے وقت برآمد ہوئے جب ہم حدیثیں لکھ رہے تھے، فرمایا: تم لوگ یہ کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا: وہ حدیثیں جو ہم نے آپؐ سے سنی ہیں، فرمایا: کیا تم کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب چاہتے ہو؟ تم سے پہلے کی امتیوں کو کسی اور چیز نے نہ بھٹکایا بجز اس کے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دیگر کتابیں بھی لکھ ڈالیں'' اور ایک دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی اضافہ ہوا ہے'' ابوہریرہؓ نے کہا: اس پر ہم نے ان تمام (لکھی ہوئی چیزوں) کو ایک میدان میں جمع کیا اور ان کو آگ لگا ڈالی''۔ ایک اور روایت اسی کے ہم معنی ہے لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کیا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی اور کتاب؟ کتاب اللہ کو پاک اور خالص رکھو''(۱۴۸)۔ ان ہی عبدالرحمٰن بن زید نے ابوہریرہؓ کے حوالے سے یہ روایت بھی کی ہے: ''رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی حدیث لکھ لی ہے، اس پر آپ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: یہ کیا کتابیں ہیں جو مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے لکھ لی ہیں؟ میں ایک بشر ہوں، اگر کسی کے

پاس (ان کتابوں) کی کوئی چیز ہے تو لے آئے''(۱۴۹)۔

ان تمام روایتوں کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۷ھ یا اس کے بعد کسی زمانے میں ایک، مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کوئی بہت ہی دلچسپ خطبہ دیا تھا (ممکن ہے پشینگوئیاں اور اسلام کی آئندہ ترقی و فتوحات کا معاملہ ہو، جس کا تذکرہ اوپر آیا اور جس کا عکس صحیفہ ہمام کی احادیث نمبر ۲۲ تا ۲۵ میں بھی ملتا ہے) یمن سے جہاز بھر لوگ نئے نئے آئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں سے متعدد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان کو قرآن مجید کے سورے دیئے گئے کہ پڑھ کر حفظ کریں۔ جب ان لوگوں نے یہ خطبہ سنا تو حسن عقیدت سے اس کو بھی لکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعضوں نے خود قرآن مجید کے ان اوراق پر (جو انہیں حفظ کرنے دیئے گئے تھے) حاشیے پر جگہ پائی تو یہ خطبہ درج کر لیا۔ ان نو مسلموں سے خوف تھا کہ کہیں وہ خلط مبحث نہ کر دیں اور قرآن و حدیث کو گڈمڈ کر کے پیچیدگیوں کا باعث نہ بنیں، اور اگر ہمارے گمان کے مطابق یہ پشینگوئیوں وغیرہ کے دن کا معاملہ ہے تو اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عالم مثال کے مشاہدات کا جو ذکر فرمایا تھا، اگر اسے نااہل عوام کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جائے تو تدبیر کی جگہ تقدیر پر تکیہ کر لیں اور مزید برآں عالم مثال کی خبروں اور وحی میں بڑا فرق ہے۔ جسے صرف اہل نظر سمجھ سکتے ہیں، عالم مثال کی چیزوں کی صحت میں تو شک نہیں لیکن ان کو لفظی معنوں میں نہیں لیا جا سکتا بلکہ وہ خواب کے مشاہدات کی طرح کے امور ہیں جن کی خاص تعبیر اور باطنی معنی ہوتے ہیں۔

اس توجیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابوہریرہؓ جو خود بھی اس ممانعتی حدیث کے راوی ہیں (اور جو اپنی شدت پسندی اور حدیث کے ظاہری معنوں کی بھی پوری پوری تعمیل پر ہمیشہ زور دینے میں مصروف رہے ہیں) ان کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ حدیث کی بہت سی کتابیں (کتبا کثیرۃ) لکھ رکھی تھیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اگر آنحضرت ﷺ کی ممانعت موقتی امر کے متعلق نہ ہوتی بلکہ عام اور دائمی تو ابوہریرہ جیسی شخصیت کا حدیثوں کے دفتر کے دفتر لکھ ڈالنا ناممکن تھا۔

یہی حال ابن عباسؓ کا بھی ہے۔ یہ بھی کم سن صحابہ میں سے ہیں۔ خطیب بغدادی (۱۵۰) نے ان کی ذاتی رائے بھی لکھی ہے کہ حدیث کو نہ لکھنا چاہئے اور ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ حدیث کے لکھنے اور لکھانے میں یہ اوروں سے بھی پیش پیش ہی رہے ہیں۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج اسلام کے باعث نیا نیا پیدا ہو رہا تھا اور قرآن وغیرقرآن سب ایک ہی عربی زبان میں تھے۔ ابھی قرآن کی تدوین تک مکمل نہ ہوئی تھی چہ جائیکہ اس کے الفاظ اتنے

معروف ہو جائیں کہ ہزاروں الفاظ کے اندر لپیٹ کر بھی کوئی ان کا ذکر کرے تو فوراً تیل اور پانی کی طرح جدا جدا ہو جائیں۔

ایک طرف یہ ممانعتی حدیثیں ہیں تو ساتھ ہی اجازتی حدیثیں بھی ہیں، رافع بن خدیج کے ہاں لکھی ہوئی حدیثوں میں حدود حرم مدینہ کی تفصیل ہونے کا ذکر ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ ان ہی رافع بن خدیج کی روایت ہے: ''ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں کیا ہم ان کو لکھ سکتے ہیں؟ فرمایا: لکھو، اس میں کوئی حرج نہیں''(۱۵۱)۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص کے احادیث لکھا کرنے کی تفصیل اوپر بیان ہوئی، آغاز کار کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے فرمودہ امور دوسروں کو بھی بیان کروں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے دل (حفظ) کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ کی لکھائی سے بھی مدد لوں۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا: اگر ایسا ہی ہے تو:

احفظ حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک

میری حدیثوں کو زبانی یاد کر پھر اپنے دل (حافظے) کے ساتھ اپنے ہاتھ سے مدد لے۔

ان تمام باتوں کا منشا صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلط چیزیں کسی کی طرف منسوب نہ ہو جائیں۔ صرف حافظہ اور صرف کتابت دونوں میں بھی سہو و نسیان پیش آتا ہے انسانی امکان کی حد تک اس سے بچنے کی صورت یہی تھی کہ دونوں وقت واحد میں برتے جائیں تاکہ ایک کی اتفاقی کوتاہی کی دوسرے سے تلافی ہو جائے۔ اسی احتیاطی تدبیر کا ایک جزء ''قراء ت سماعت'' ہے یعنی لکھی ہوئی چیز کا اصل سے مقابلہ کریں، ابن ابی شیبہ نے کیا دلچسپ واقعہ لکھا ہے:

''ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے فرمایا: کیا تو لکھ چکا؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا: کیا تو نے مقابلہ بھی کر لیا؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر تو تونے گویا لکھا ہی نہیں''۔

جب اجازت و ممانعت دونوں کی حدیثیں صحابہ اور خود ممانعت کے راوی صحابہ کی تشویش کا باعث نہ بنیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہمیں پریشان کریں۔ ہر چیز کو سیاق و سباق کے ساتھ جانچنا چاہئے اور مقصد صرف صداقت کی برقراری ہے چاہے جس طرح حاصل ہو۔

خاتمہ

حدیث نبوی اصل میں دو ستونوں پر قائم ہے: کتابت مع مقابلہ اور قرأت سماعت، اور وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں۔ اگر کوئی شخص حدیث نبوی کے تحفظ اور صحت میں جو حزم احتیاط برتی جا رہی ہے اس کا مقابلہ اسلام سے پہلے دوسرے پیغمبروں کی حدیثوں کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس سے، اور اسی طرح ہمارے اس موجودہ زمانے کی ''تاریخ'' سے کرتا ہے جو اخبارات و جرائد کے عمداً جھوٹ اور سرکاری دستاویزوں کے مکارانہ بیانات اور تدریسات پر مبنی ہوتی ہے اور فکرسلیم سے کام لے تو اس پر حدیث کی فضیلت و فوقیت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ محدثین کے کارنامے، عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک جو زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے ہیں کتنی نہ فوقیت رکھتے ہیں! مسلمانوں کی حدیث اور غیروں کی حدیث میں وہی فرق ہے جو زمین و آسمان میں، اور ان دونوں کے فرق کا کیا ٹھکانہ ہے۔ حدیث اسلامی کی خوبیوں پر نہ دشمن کا معاندانہ طعن و طنز پردہ ڈال سکتا ہے اور نہ دوستوں کی ناواقفیت، آئندہ اوراق میں صحیفہ ہمام پیش ہے، سہولت کی خاطر ان حدیثوں پر ہم نے نمبر سلسلہ بڑھا دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا عنوان بائبل ''ذیلی سرخی'' اولڈ ٹسٹمنٹ یا کوئی اور متبادل ماخذ۔

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا عنوان ''بائبل'' ذیلی سرخی ''ٹیوٹسمنٹ'' جس میں بتایا گیا ہے کہ ''یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چاروں کب اور کہاں مدون کی گئیں''۔ اسی میں بتایا گیا کہ ''انجیل متی کو دوسری صدی میں مدون کیا گیا''۔

۳۔ تفصیل کے لئے۔ بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۷۱ تا ۴۷۲ ملاحظہ ہو۔

۴۔ میری کتاب الوثایق السیاسیہ (نمبر ۷۷) دیکھئے۔

۵۔ الوثایق السیاسیہ نمبر ۲۳۳۔

۶۔ تفصیل کے لئے بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۷۲، باب ''خط کی ابتداء'' ملاحظہ ہو۔ مورخ بلاذری نے سترہ آدمیوں کے نام بھی گنوائے ہیں۔

۷۔ تفصیلات اور نقشے کے لئے دیکھئے میری کتاب ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی''، ص ۱۱۵ ومابعد ''صلح حدیبیہ''۔

۸۔ تاریخ طبری، طبع یورپ ص ۲۸۱۷ ومابعد، نیز گبن کی انگریزی تالیف: ''تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روما ج۵ ص ۵۵۵، مطبوعہ اکسفورڈ یونیوسٹی پریس۔

۹۔ بلاذری: فتوح البلدان، طبع یورپ ص۴۰۸

۱۰۔ حوالوں کے لئے بارتولڈ کی انگریزی کتاب ''ترکستان'' ص۶

۱۱۔ بلاذری: فتوح البلدان ص۳۴۸ باب فتوح السندھ

۱۲۔ تاریخ طبری، حالات سن ۱۹ھ۔

۱۳۔ اس کا امکان ہے کہ تعلیم کی تعمیل کی خاطر آپ نے تھوڑا بہت خود بھی لکھنا سیکھا ہو۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں بخاری کا مبہم جملہ ہے کہ ''آپ کو اچھی طرح لکھنا نہیں آتا تھا'' (بخاری کتاب المغازی، باب: عمرۃ القضایا نیز سہیلی ۲۳۰/۲)

۱۴۔ اس زمانہ میں بھی چند مدینے والے مسلمان ہوئے تو وہاں ایک معلم بھیجا گیا (یعنی حضرت مصعب بن عمیر جو مقری کہلاتے تھے) تاکہ لوگوں کو قرآن، فقہ اور دینیات کی تعلیم دیں۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ (دیکھو سیرت ابن ہشام ص ۲۸۹ تا ۲۹۰)۔ اسی طرح بخاری میں ہے ''براء صحابی کہتے ہیں کہ صحابہ میں اول مدینہ میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم آئے اور قرآن کی تعلیم دینے لگے''۔ (بخاری، کتاب التفسیر)۔

۱۵۔ قرض دہی کے علاوہ حدیثوں میں وصیت کو بھی لکھ رکھنے کا حکم ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی مسلمان کو جس کے پاس وصیت کے لائق کچھ مال و دولت ہو تو یہ مناسب نہیں کہ دو راتیں بھی گزارے بغیر اس کے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی رکھی ہو ''الاَّ وَصِیتهُ مَکتُوبَةٌ عِندَہ''' بخاری ۵۵/۱ کتاب الوصایا۷ باب الوصایا حدیث نمبر۱۔

۱۶۔ اسد الغابہ لابن الاثیر ۱۷۵/۳۔ استیعاب لابن عبدالبر جلد دوم ص ۳۹۳۔ الاصابہ لابن حجر نمبر (۱۷۶۹) ان کا نام زمانہ جاہلیت میں الحکم تھا۔ رسول اللہ نے عبداللہ سے موسوم فرمایا، صفہ کی درسگاہ میں تعلیم پانے والوں کی کثیر تعداد کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بعض مولف اہل صفہ کے چار سو طلبہ کا ذکر کرتے ہیں جو تعجب نہیں کہ ایک ہی دن کی حاضری ہو کیونکہ خود مقیم و شب باش طلبہ ستر اسی تک ہو جاتے تھے (مسند ابن حنبل ۳۷۱/۳) عارضی مقیمین جو قبائلی وفود کے باعث ہوتے اس پر مستزاد تھے۔ قبیلہ تمیم کے سلسلہ میں مولف استیعاب نے ''ستر اسی'' کا ذکر کیا ہے۔ سعد بن عبادہ انصاری اکیلے ایک ایک رات میں (۸۰) اسی اہل صفہ کی ضیافت کرتے تھے (تہذیب التھذیب ابن حجر ۴۷۵/۳ نمبر۸۸۳)۔

۱۷۔ التراتیب الاداریہ عبدالحی الکتانی ۴۸/۱ (بحوالہ سنن داؤد۔

۱۸۔ الکتانی ۵۶/۱ بحوالہ استیعاب عبداللہ بن ام مکتوم و ابن سعد ۱۵۰/۴

۱۹۔ مسلمانوں کے پاس تین سو سے کچھ ہی زائد سپاہ تھی، دشمن کی تعداد مورخوں نے ساڑھے نو سو لکھی ہے (طبری ص۱۲۹۸، ۱۳۰۴، نیز ابن ہشام ص۴۳ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب، عہد نبوی کے میدان جنگ، عنوان ''غزوہ بدر'')۔

۲۰۔ طبقات ابن سعد، ۱/۲، ص ۴ سہیلی: الروض الانف جلد۲ ص۹۲، مسند احمد بن حنبل ۱/۲۴۷، نیز کتاب الاموال ص۱۱۶ نمبر۳۰۹ مصنف عبدالرزاق میں بھی اس کا تفصیل تذکرہ ہے۔

۲۱۔ ابن تیمیہ، ذہبی ماوردی، طبری وغیرہ نے اسے حدیث قرار دیا ہے۔ طبرانی کبیر میں ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں: ''اَنَا نَبِی الملحمۃِ، اَنَا مَدِینۃُ العِلمِ'' مستدرک، حاکم، طبرانی کبیر اس کے راوی ہیں، جامع صغیر ج۱ ص۲۶۹۔

۲۲۔ چاہے یہ الفاظ حدیث میں ثابت نہ ہوئے ہوں، مفہوم کی صحت پر کسی کو اعتراض نہیں۔

۲۳۔ سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء، ابن عبدالبر: مختصر بیان العلم ص۱۵ نیز مشکوۃ کتاب العلم بحوالہ داری۔

۲۴۔ الکتانی: التراتیب الاداریہ ج۱ ص ۴۱ بحوالہ اصابہ، ابوالخزاعی۔

۲۵۔ ابن عبدالبر: مختصر، بیان العلم، ص ۱۴

۲۶۔ بلاذری: انساب الاشراف (مخطوطہ قاہرہ) ج۱ ص۴۲۰

۲۷۔ پورا متن دیکھئے۔ میری کتاب: الوثایق السیاسیہ میں نمبر (۷۷) بحوالہ بخاری، ابن طولون، یاقوت وغیرہ۔

۲۸۔ الوثایق السیاسیہ نمبر (۱۰۵) بحوالہ ابن ہشام، طبری وغیرہ

۲۹۔ تاریخ طبری (طبع یورپ) سلسلہ اول ص۱۸۵۲ تا ۱۸۵۳ و ۱۹۸۱ء

۳۰۔ بخاری ۴۵/۳ کتاب العلم، باب: ھل یجعلُ للنساءِ یومٌ علیٰ حدۃٍ فِی العلمِ.

۳۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب الرقی نیز بلاذری: فتوح البلدان ص۴۷۳

۳۲۔ مصنف عبدالرزاق ج۴ کتاب الجامع باب الرقاء۔

۳۳۔ مثلاً، انساب الاشراف للبلاذری، ۲۵۶/۱، کتاب الوزراء للجشیاری التنبیہ والاشراف للمسعودی ص۲۸۲ تا ۲۸۳ الکامل لابن الاثیر وغیرہ۔

۳۴۔ تفصیل کے لئے دیکھئے التراتیب الاداریہ الکتانی ج۱ ص۱۱۶ تا ۱۲۴

۳۵۔ کتاب المصاحف ابی داؤد السجستانی (بحوالہ کتانی ۱۲۰/۱)

۳۶۔ التنبہ والاشراف للمسعودی ص۲۸۲ تا ۲۸۳۔

۳۷۔ بخاری کتاب اللباس باب نقش الخاتم۔

۳۸۔ اس بارے میں دیکھئے میرا مضمون: عہد نبوی کا نظام تعلیم' ماہنامہ معارف اعظم گڑھ نومبر ۱۹۴۱ء یا میری کتاب: ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی''۔

۳۹۔ متن کے لئے الوثایق السیاسیہ نمبر (۱) بحوالہ ابن ہشام، ابو عبید (ابن سید الناس وغیرہ اور تفصیلی بحث کے لئے اردو میں میری تالیف: ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی''--- باب سوم، عربی میں روئیداد موتمر دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۱۹۳۸ء اور انگریزی میں اسلامک رویو (ووکنگ) اگست تا نومبر ۱۹۴۱ء۔

۴۰۔ محدث عبدالرزاق نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں: ''اِنّ رسولَ اللّٰہِ ﷺ قال فی الکتابِ الذی کتبہ بین قریش والانصار'' (مصنف عبدالرزاق کتاب العقول)۔

۴۱۔ مسند احمد حنبل، جلد چہارم ص۱۴۱، حدیث نمبر (۱۰)

۴۲۔ مخطوطہ شیخ الاسلام، عارف حکمت بے، مدینہ منورہ، باب تحریم المدینۃ۔

۴۳۔ بخاری کتاب الجهاد والسیر ، باب کتابة الاماء للناس (کتاب ۵۶ باب ۱۸۱، حدیث نمبرا)۔

۴۴۔ الوثایق السیاسیہ نمبر (۴۳) بحوالہ حلبی، مقریزی، قسطلانی وغیرہ۔

۴۵۔ ایضاً نمبر (۲) بحوالہ ابن ہشام وغیرہ۔

۴۶۔ سیرة رسول اللہ لابن ہشام (طبع یورپ) ص ۴۱۹

۴۷۔ الروض الانف ۲/ ۵۸ تا ۵۹ نیز الوثایق السیاسیہ نمبر (۱۵۹) بحوالہ ابن سعد وغیرہ۔

۴۸۔ الوثائق السیاسیہ نمبر (۸) بحوالہ ابن ہشام و طبری۔

۴۹۔ سیرة ابن ہشام۔ ص۷۴۷، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب: عمرة القضا (۴۵/۶۴)۔

۵۰۔ متن کے لئے الوثایق السیاسیہ نمبر (۱۹۰) نیز ابوعبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال فقرہ ص۵۰۸۔ ابوعبید قاسم بن سلام (المتوفی ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں کہ ''خود میں نے اس تحریر کو پڑھا اور وہ ایک سفید چمڑے پر لکھا ہوا تھا اور میں نے حرف بہ حرف اس کی نقل لے لی''۔

۵۱۔ طبقات ابن سعد جلد دوم، حصہ اول ص۱۲۰، نیز تراتیب کتانی ۱۷۹/۱ بحوالہ اصابہ لابن حجر، وہب بن اکیدر نیز اکیدر بن عبدالملک۔

۵۲۔ Oluf Krueckmann, New Baby Lonisehe Recht-und Verwallung Stexte (Text-37) Tafel 38; Ch Edwards, The Hammurabi Code, p, II, Meissner, Badylonien und Assyrieni, 178

۵۳۔ میری تالیف ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں باب ''مکتوب نبوی بنام قیصر روم''۔

۵۴۔ ایضاً باب ''مکتوبات نبوی کے دو اصول'' نیز باب ''مکتوب نبوی بنام نجاشی''۔

۵۵۔ ابن عساکر: تاریخ دمشق طبع جدید (شائع کردہ صلاح الدین المنجد) جلد اوّل، ص۴۲۰

۵۶۔ صحیح بخاری ۳/۷، کتاب العلم باب ما یذکر فی المناولة نیز تاریخ طبری ۵۶ کے واقعات ص۴۳۷ مطبوعہ لائیڈن۔

۵۷۔ بلاذری: فتوح البلدان، ص۵۱۳

۵۸۔ بخاری، ابو داؤد نیز تاریخ طبری ، ص ۱۴۶۰، سن ۴ھ کے واقعات۔

۵۹۔ سنن دارقطنی، ابوداؤد، طبرانی، دارمی، کنزالعمال وغیرہ میں اس کا متن ہے۔ سنن ابی داؤد کتاب الزکاة اور ترمذی کتاب الزکاة میں عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ زکات سے متعلق تحریری احکام اپنے عاملوں کو بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ نے اس کو اپنی تلوار سے لگا رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل کیا، یہاں تک کہ وفات پائی، پھر حضرت عمرؓ نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ وفات پائی''۔ اسی ابوداؤد میں ''ابن شہاب زہری (۵۱ھ-۱۲۵ھ کہتے ہیں کہ میں نے اس تحریر کو پڑھا اور وہ حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس تھی اور عمر ابن عبدالعزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ نے اس تحریر کی نقل کروائی''۔ حضرت عمرؓ نے زکات

سے متعلق جو تحریر لکھی تھی وہ امام مالک (التوفی ۱۷۹ھ) کی کتاب موطا کتاب الزکاۃ میں محفوظ ہے اور خود مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے حضرت عمرؓ کی کتاب صدقہ کو پڑھا"۔

٦۰۔ المبسوط للسرخسی، جلد اول، کتاب الصلوٰۃ، ص ۳۷۔

٦۱۔ الادلة العلمية على جواز ترجمة معانی القران الی اللغات الاجنبية، طبع قاہرہ ص ۵۸ (اور النہایہ والبدایہ کا حوالہ دیا ہے)

٦۲۔ صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم (۴۹/۳، حدیث نمبر۲)

٦۳۔ سنن ابی داؤد، باب کتاب العلم، ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ۔

٦۴۔ ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ

٦۵۔ ترمذی حوالہ بالا نیز سنن ابی داؤد و کتاب العلم، مسند ابن حنبل، (طبع جدید) احادیث نمبر ٦۵۱۰، ٦۸۰۲، ٦۹۳۰، ۷۰۱۸، ۷۰۲۰ نیز ابن سعد، ابن عبدالبر وغیرہ۔

٦٦۔ بخاری، کتاب العلم باب کتابۃ العلم، نیز مصنف عبدالرزاق الجزء الرابع باب کتاب العلم، عبدالرزاق نے معمر سے اور انہوں نے راست ہمام بن منبہ سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے سنا۔

٦۷۔ طبقات ابن سعد ۲/۴، ص ۸ تا ۹

٦۸۔ اسدالغابۃ لابن الاثیر جلد سوم ص ۲۳۳، جہاں یہ الفاظ ہیں: "قال عبدالله حفظتُ عن النبی ﷺ الف مثل". یہاں غالباً سادہ ضرب المثلیں مراد نہیں۔ اس حوالے میں کتاب یا صحیفہ صادقہ کا بھی صراحت سے ذکر نہیں ہے۔

٦۹۔ تہذیب التہذیب لابن حجر جلد ہشتم ص ۴۸ تا ۵۵ نمبر (۸۰)۔

۷۰۔ اس کا تذکرہ مسند دارمی باب ۱۴۳ من رخص فی کتابۃ العلم میں بھی ہے۔

۷۱۔ طبقات ابن سعد جلد چہارم حصہ دوم، ص ۱۱

۷۲۔ زبیر صدیقی کا انگریزی مقالہ، روئیداد اجلاس اولی ادارہ معارف اسلامیہ، لاہور ص ٦۳ تا ص ۷۱ بعنوان "Ahadith were recorded during the life time" اس کا اُردو ترجمہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں چھپا ہے۔

۷۳۔ الروض الانف السہیلی ۷۸/۲۔

۷۴۔ التراتیب الاداریۃ لکتانی جلد ۱ ص ۲۷۴ تا ۲۷۵

۷۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد باب فی الامام یستجن بہ فی العہود

۷٦۔ اسد الغابہ جلد اول ص ۱۲۸ (یا رسول اللہ! ھذا ابنی و ھو غلام کاتب).

۷۷۔ مسند دارمی ۱۴۳ من رخص فی کتابۃ العلم۔

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ المستدرک علی کم وغیرہ، بحوالہ مولانا مناظر احسن گیلانی "تدوین حدیث" محاضرہ اول، خطیب البغدادی کی کتاب

تقید العلم، ص ۹۵ تا ۹۶ میں یہی روایت ھبیرہ بن عبدالرحمٰن سے بھی مروی ہے۔ رامہرمزی کی کتاب المحدث الفاصل، باب الکتاب میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ کتبتها و عرضتها علیٰ رسول الله ﷺ.

۸۰۔ متن کے لئے الوثائق السیاسیہ (۱۰۵) بحوالۂ طبری وغیرہ، دیکھئے مسند احمد حنبل، ابو داؤد و نسائی کے باب الدیات۔

۸۱۔ بحوالہ مولانا مناظر احسن گیلانی ''تدوین حدیث'' ا/۱۰۱، مصنف عبدالرزاق میں بھی ''صحیفہ جابر بن عبداللہؓ'' کا حوالہ موجود ہے اور معمر نے اس سے روایتیں بیان کی ہیں مثلاً دیکھئے مصنف مذکور باب الذنوب۔

۸۲۔ اصابہ ج۱ ص ۴۳

۸۳۔ وہب ان کے شاگرد تھے۔

۸۴۔ التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۸۲، (بحوالہ مناظر احسن گیلانی مقالہ بالا)

۸۵۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر ۴/۲۱۵، ۳۶۹)

۸۶۔ حوالہ بالا از ابن حجر، نیز مناظر احسن گیلانی، مقالہ بالا۔

۸۷۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳۳۔ تہذیب التہذیب لابن حجر ۷/۱۸۳ نمبر ۳۵۱۱، نیز مصنف عبدالرزاق الجزء الرابع باب تحریق الکتب۔

۸۸۔ مناظر احسن گیلانی مقالہ بالا بحوالہ بخاری و ابن حجر عسقلانی، ان کے علاوہ اور لوگوں کے پاس کی بھی حدیثیں ملیں تو خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۱ھ تا ۱۰۱ھ) نے سرکاری طور پر ان حدیثوں کے جمع کرنے اور لکھنے کا باقاعدہ اہتمام فرمایا۔ چنانچہ امام مالکؒ (۹۵ھ تا ۱۷۹ھ) اور امام بخاریؒ (۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ) بیان کرتے ہیں:-

وَکتب عمر بن عبدالعزیز الیٰ ابی بکر بن حزم. انظر ما کان من حدیث رسول الله ﷺ فاکتبه. فانی خفت دروس العلم وذهاب العلمآء. ولاتقبل الا حدیث النبی ﷺ. ولیفشوا العلم والیجلسوا حتیٰ یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلک حتی یکون سراً.

عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم (مدینہ کے گورنر) کو لکھا۔ دیکھو! رسول اللہ ﷺ کی جو حدیثیں تم کو ملیں ان کو لکھ لو۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں علم دین مٹ نہ جائے اور عالم چل بسیں۔ اور صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی کو لینا اور عالموں کو چاہئے کہ علم پھیلائیں اور تعلیم دینے کے لئے بیٹھا کریں تاکہ جس کو علم نہیں وہ علم حاصل کر لے کیوں کہ جہاں علم پوشیدہ رہا پس مٹ گیا۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، نیز موطا امام مالکؒ ''کتاب العلم)۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان کی تعمیل میں ابوبکر بن حزم کے شاگرد ابن شہاب زہری (۵۱ھ تا ۱۲۵ھ) نے حدیثوں کے جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ بخاری کے مشہور شارح حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب فتح الباری شرح بخاری میں ابونعیم کی تاریخ اصبہان کے حوالہ سے یہ بیان نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کا یہ حکم صرف مدینہ اور مدینہ کے گورنر کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا بلکہ انہوں نے اسلامی مملکت کے تمام صوبوں کے

گورنروں کے نام اسی قسم کا فرمان بھیجا تھا۔

کتب عمر بن عبدالعزیز الی الافاق انظروا حدیث رسول اللہ ﷺ فاجمعوہ،

عمر بن عبدالعزیز نے تمام مملکت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ کی حدیث تلاش کرو اور ان کو جمع کرو۔ (ابن حجر: فتح الباری ج) ص ۱۷ مطبوعہ حافظ شمس الدین ذہبی اور حافظ ابن عبدالبر کے بیان کے بموجب احادیث اور سنن کے دفاتر مرتب ہو کر دارالخلافہ دمشق آئے اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کی نقلیں مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں بھیجیں، چنانچہ سعد بن ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ:

امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفتراً دفتراً، فبعث الی کل ارض لہ سلطان دفتراً.

ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا اور ہم نے دفتر کے دفتر حدیثیں لکھیں۔ انہوں نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی وہاں وہاں ہر جگہ ایک ایک مجموعہ بھیجا۔

(ذہبی: تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۰۶۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف نیز ابن عبدالبر: مختصر جامع بیان العلم ص ۳۸ مطبوعہ مصر)

۸۹۔ تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۸۲/۷ نمبر ۳۵۱

۹۰۔ الذہبی: تذکرۃ الحفاظ ۵/۱، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

۹۱۔ جامع معمر بن راشد (مخطوطات انقرہ و استانبول) باب کتاب العلم، نیز دیکھئے مصنف عبدالرزاق باب کتاب العلم (مخطوطہ ترکی و حیدرآباد) نیز تقید الخطیب ص ۴۹۔

۹۲۔ بخاری کتاب العلم، باب کتابۃ العلم (۴۹/۳، حدیث نمبر۱)

۹۳۔ صحیح بخاری، ابواب الجہاد والسیر (جزیۃ، باب ذمۃ المسلمین ۵۸/۱۰)

۹۴۔ صحیح بخاری، باب اثم من عاہد ثم غدر (۵۸/۱۷)

۹۵۔ دنیا کا پہلا ''تحریری دستور مملکت'' (در کتاب: عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

۹۶۔ مصنف عبدالرزاق جلد دوم باب النہبۃ و من آوی محدثا'' (مخطوطہ حیدر آباد و ترکی)۔ اس حوالے کے لئے میں ڈاکٹر محمد یوسف الدین کا ممنون ہوں، امتاع مقریزی (۱۰۲/۱) میں صراحت ہے کہ دستور مدینہ رسول اکرم ﷺ کی تلوار پر لٹکتا رہتا تھا۔

۹۷۔ سنن ابی داؤد کتاب المناسک ''باب فی تحریم المدینۃ''.

۹۸۔ جبل عائر یا عیر مدینے کی جنوبی حد ہے اور جبل ثور (جو احد کے مغرب میں ہے) شمالی حد ہے۔ نقشہ کے لئے میری کتاب ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' ملاحظہ ہو۔

۹۹۔ بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم (۶/۲ حدیث نمبر۲)۔

۱۰۰۔ متن کے لئے دیکھئے: الوثائق السیاسیہ نمبر ۲۸۷/ب

۱۰۱۔ اس کا تذکرۃ تقید العلم الخطیب ص ۸۸ تا ص ۸۹ میں بھی ہے۔

۱۰۲۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب لا تمنوا لقاء العدو، باب اذا لم یقاتل اول النہار باب الصبر عندالقتال (تین

روایتیں)۔

۱۰۳۔ ابن حجر: تہذیب التہذیب ۱۹۸/۴۔

۱۰۴۔ ابن حجر: تہذیب التہذیب ۲۳۶/۴ نمبر (۴۰۱)

۱۰۵۔ ابن سعد، طبقات جلد سوم حصہ دوم ص ۱۴۲، تہذیب التہذیب ۴۷۵/۳ نمبر (۸۸۳) جو لوگ لکھنے پڑھنے کے ساتھ ساتھ تیر اندازی اور پیراکی جانتے تھے انہیں کامل کہا جاتا تھا۔ چنانچہ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ ''سعد بن عبادہ، اسید بن حضیر اور عبداللہ بن ابی اور اوس بن خولی کامل تھے یعنی کتابت کے ساتھ تیر اندازی اور شناوری بھی جانتے تھے''۔ (بلاذری: فتوح البلدان ص ۴۷۴)، خط کی ابتداء۔

۱۰۶۔ مناظر احسن گیلانی مقالہ بالا (بحوالہ ترمذی، کتاب الاحکام)۔

۱۰۷۔ تہذیب التہذیب لابن حجر ۴۱۳/۱۰ نمبر (۷۴۲)

۱۰۸۔ ترمذی کتاب العلل (بحوالہ مناظر احسن گیلانی)۔

۱۰۹۔ بحوالہ مناظر احسن گیلانی۔

۱۱۰۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، باب الیمین علی المدعیٰ علیہ۔

۱۱۱۔ دیکھیے عرض الانوار المعروف بتاریخ القرآن ص ۱۷۳ ومابعد۔

۱۱۲۔ بخاری ج۲۹ کتاب الاحکام باب ھل یقضی الحاکم اویفتی (۹۳/۱۳) نیز سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ باب القاضی یقضی وھوغضبان۔

۱۱۳۔ بخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم (۵۲/۳)

۱۱۴۔ ذونواس اور ابرہہ کی طرف اشارہ ہے۔

۱۱۵۔ مسند حنبل جلد ۲، ص ۱۲ تا ۱۳۔ ایسی ہی ممانعت شروع میں ابو سعید الخدری کو بھی کی گئی تھی (ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی کراھیۃ کتابۃ العلم)۔

۱۱۶۔ ابن حجر: تہذیب التہذیب ۲۶۵/۱۲ نمبر (۱۲۱۶)

۱۱۷۔ کتاب الکنی، للبخاری ص ۳۳ (بحوالہ مناظر احسن گیلانی)

۱۱۸۔ طبقات ابن سعد، ج۷، ص ۱۵۷

۱۱۹۔ دارمی باب ۴۳ نیز تقید الخطیب ص ۱۰۱۔

۱۲۰۔ فتح الباری لابن حجر ۱۸۴/۱ (بحوالہ ڈاکٹر زبیر صدیقی)

۱۲۱۔ جامع بیان العلم لابن عبدالبر ۷۱/۱۔

۱۲۲۔ طبقات ابن سعد جلد چہارم، حصہ دوم ص ۶۴ کے مطابق یہ ۵۹ھ میں اٹہتر سال کی عمر میں فوت ہوئے، مرجح قول ۵۸ھ سمجھا جاتا ہے۔

۱۲۳۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۹۶ مطبوعہ لائیڈن، ہالینڈ۔

۱۲۴۔ ابناء ان ایرانیوں کی اولاد کو کہتے ہیں جو یمن کو فتح کرنے کے بعد وہیں بس گئے تھے۔ یہ فوج کسری

نوشیروان نے سیف بن ذی یزن کی درخواست پر حبشیوں سے لڑنے بھیجی تھی۔ (اسد الغابۃ جلد اول ص ۱۶۳)

۱۲۵۔ مطبوعہ حیدر آباد، جلد یازدہم، صفحہ ۶۷، حالات نمبر ۱۰۶، نیز جلد اوّل ص ۵۷۴۔

۱۲۶۔ یہاں اس طرح شیخ ہے لیکن ان کے بھائی وہب بن منبہ کے حالات (۱۱/۱۶۶ نمبر ۲۸۸) میں بغیر نقطوں کے شیخ بن ذی کنار الیمانی الصنعانی الذماری لکھا ہے۔ ابناء کی آمد یمن میں چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ہوئی، لیکن یہاں باپ دادا، پڑدادا، سگڑ دادا سب کے نام ایرانی کی جگہ عربی میں دیئے ہیں۔ اس لئے یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ ہمام کا تعلق ابناء سے نسب نہیں بلکہ موالات کے باعث ہوگا اور وہ اصل میں یمن ہی کے قدیم باشندے ہوں گے اور ممکن ہے کہ دو ابناء کے جبر و تشدد کے زمانہ میں ان کے آباء و اجداد میں سے کسی نے عارضی اور ظاہری طور پر یہودیت بھی قبول کی ہو۔

۱۲۷۔ جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر دیکھا، ابن سعد نے "سنہ ایک سو ایک یا دو" (سنة احدیٰ و اثنین و مائة) لکھا ہے۔ اور پرانے زمانے میں کسی کاتب کے سہو کے باعث وہ "اکتیس" ہوگیا اور نووی وغیرہ ہر کسی نے وہی نقل کر دیا بلکہ خود ابن سعد کی طرف بھی ۱۳۱ھ منسوب کر دیا جیسا کہ الجمع بین رجال الصحیحین ج ۲ ص ۵۵۴ میں ہے۔ قال علی بن المدینی عن رجل لقی هما انه مات سنة اثنین و ثلاثین و مائة وقال ابن سعد توفی سنة، احدی و ثلاثین و مائة رحمة الله. مگر یہ سب اذافات الشرط فات المشروط کے بمصداق قابل رد ہیں۔

۱۲۸۔ ایضاً

۱۲۹۔ ایضاً

۱۳۰۔ بر موقع (اس کتاب کے کئی مشرقی و مغربی ایڈیشن ہیں)

۱۳۱۔ حاجی خلیفہ نے بھی وہی پرانی غلطی دہرائی ہے صحیح تاریخ ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ ہے۔

۱۳۲۔ **معمر بن راشد۔**

جامع معمر بن راشد: ابو عروہ بن راشد (فوت ۱۵۳ھ) نے نہ صرف صحیفہ ہمام کو بعینہ محفوظ رکھا اور اپنے شاگردوں کو املا کرایا بلکہ "الجامع" نامی ایک کتاب حدیث پر خود بھی تالیف کی، جیسا کہ نام ہی بتاتا ہے کہ انہوں نے اس میں ان تمام حدیثوں کو یکجا کیا ہے جو اپنے مختلف اساتذہ سے سنی اور لکھی تھیں، علم کی خوش قسمتی سے یہ کتاب اب تک محفوظ رہ گئی اور حال میں ترکی میں مل گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ جامعہ انقرہ کے شعبہ تاریخ کے کتب خانے میں (ذخیرہ اسماعیل صائب ۲۱۶۴ پر) ہے اور ناقص و دریدہ لیکن بہت قدیم ہے یعنی ۳۶۴ھ میں اندلس (اسپین) کے شہر طلیطلہ (ٹولیڈو) میں لکھا گیا ہے، دوسرا نسخہ کامل ہے اور استنبول کے کتب خانہ فیض اللہ آفندی میں (۵۴۱ پر) ہے اور ۶۰۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب پر استنبول یونیورسٹی کے نوجوان فاضل استاذ ڈاکٹر فواد سزگین نے "ترکیات مجموعہ سی" نامی رسالے کی بارہویں جلد (۱۹۵۵ء) میں ص ۱۱۵ تا ۱۳۴ پر ایک دلچسپ مقالہ بھی ترکی میں لکھا ہے جس کا عنوان ہے "حدیث مصنفا تنک مبدئ و معمر بن راشدک جامعی" یہ کتاب راوی وار نہیں بلکہ موضوع وار مرتب ہوئی ہے، سرسری مطالعے پر اس میں ہمارے

صحیفہ ہمام کی روایت کا بھی آٹھ دس بار حوالہ نظر آیا لیکن معمر کی کوشش یہ معلوم ہوتی ہے کہ تکرار نہ ہو چنانچہ صحیفہ ہمام کی روایت بھی خود ہی سے متعلق ہونے کے باعث اس کو مکرر کتاب الجامع میں نقل وضم نہیں کیا۔ البتہ صحیفہ ہمام کی حدیثیں، ہمام کے سوا کسی اور راوی سے ملیں تو اس جدید سند کے ساتھ ان کو "الجامع" میں ضرور درج کیا ہے۔ اس طرح ایک ہی حدیث کئی کئی ماخذوں سے معلوم ہونے کے باعث معتبر تر ہی ہو جاتی ہے، جامع معمر دو سو سے کچھ زائد ورق پر مشتمل ہے، ممکن ہے کہ اس کی اشاعت کی جلد ہی نوبت آئے۔

۱۳۳۔ عبدالرزاق بن ہمام

مصنف عبدالرزاق: یہ عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الیمانی بھی بڑے مولف گزرے ہیں۔ انہوں نے المصنف نامی ایک ضخیم تالیف دو جلدوں میں علم حدیث پر چھوڑی ہے۔ انہوں نے نہ صرف معمر بن راشد سے فیض تلمذ حاصل کیا بلکہ بہ کثرت دیگر اساتذہ سے بھی حدیث کی معلومات حاصل کیں اور سب کو یکجا کیا اس لئے ناگزیر ان کی تالیف جامع تر اور ضخیم تر ہوگئی، مصنف عبدالرزاق کے مخطوطے استنبول اور صنعاء میں کامل اور حیدر آباد دکن، ٹونک اور حیدر آباد سندھ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں ناقص ملتے ہیں۔ اہل علم کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے فاضل پروفیسر، ڈاکٹر محمد یوسف الدین اسے آجکل ایڈٹ کر رہے ہیں اور جنوبی افریقہ کے عالم اور علم دوست تاجر مولانا الحاج محمد موسیٰ میاں صاحب اس کی اشاعت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کتاب میں بھی صحیفہ ہمام کی حدیثیں کثرت سے موجود ہیں۔

۱۳۴۔ امام احمد بن حنبلؒ بمقام بغداد ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعیؒ سے درس حاصل کیا اور ۲۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ امام بخاریؒ (۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ) اور امام مسلم (۲۰۴ھ تا ۲۶۱ھ) جیسے جلیل القدر محدثین، امام احمدؒ کے شاگرد تھے۔

۱۳۵۔ ان کے حالات کے لئے دیکھو ارشاد یاقوت ۲۰/۷۔ السیوطی ص ۶۶ بروکلمان کی جرمن کتاب (تاریخ ادبیات عربی) ضمیمہ جلد اوّل صفحہ ۶۰۴ نیز ضمیمہ، ضمیمہ، جلد اول ص ۴۳۷ وفیات ابن خلکان نمبر (۶۳۱)۔

۱۳۶۔ دیکھئے مسند ابن حنبل طبع اول جلد دوم ص ۳۱۲ تا ۳۱۹

۱۳۷۔ دیکھو ڈاکٹر زبیر صدیقی مقالہ "السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث" جو موتمر دائرۃ المعارف حیدر آباد میں پڑھا گیا اور روئیداد موتمر میں ۱۳۵۸ء میں شائع ہوا۔ وہاں یہ بحث ص ۴۳ تا ۵۵ میں آئی ہے۔

۱۳۸۔ کتاب الانساب للسمعانی تحت مادّہ "قطان"۔

۱۳۹۔ بریکٹوں ( ) کے مابین کی عبارت ہماری رائے میں کاتب کی سہو سے چھوٹ گئی ہے۔

۱۴۰۔ اس نے جرمن زبان میں ساری دنیا کی عربی کتابوں کی ایک فہرست چھاپی ہے اور ہر کتاب کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس کا مولف کون تھا (مع مختصر سوانح عمری)، کتاب کے کتنے مخطوطے دنیا کے کس کس کتب خانے میں (بحوالہ نمبر فہرست) پائے جاتے ہیں، ساتھ ہی اگر وہ چھپ بھی گئی ہے تو کب کب اور کہاں چھپی ہے۔ یہ سات جلدوں میں تقریباً پانچ ہزار باریک ٹائپ کے صفحوں میں جرمن زبان میں چھپی ہے۔ اس کا نام ہے

''تاریخ ادبیات عربی''۔

Geschiehte Der Arabischen Littereturr

چونکہ اس کتاب میں حروف تہجی پر اشاریہ بھی ہے اس لئے یہاں صفحوں کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔

۱۴۱۔ تقید العلم للخطیب البغدادی (طبع دمشق ۱۹۴۹ء) ص ۲۹ تا ۳۲ اور اسی کے ناشر کے حاشیے کے مطابق مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۳۶۵، مسند ابن حنبل ۳۱/۳، کتاب المصاحف، ورق ۲/۲، سنن داری ۱۱۹/۱ (باب ۴۲)۔

۱۴۲۔ مجمع الزوائد ۱۵۱/۱(از حوالہ بالا)

۱۴۳۔ تقید العلم لخطیب، ص ۳۲ تا ۳۳ (ناشر کے مطابق یہ ترمذی ۳/۲ میں بھی ہے)۔

۱۴۴۔ باب ۴۲ (۱۱۹/۱)،

۱۴۵۔ تقید العلم للخطیب ص۳۵

۱۴۶۔ مقریزی: امتاع الاسماع، ۱۱۹/۱

۱۴۷۔ تقید الخطیب ص ۳۳ تا ۳۴، نیز مسند ابن حنبل ۱۲/۲ تا ۱۳

۱۴۸۔ ایضاً، ص ۳۴ تا ۳۵

۱۴۹۔ ایضاً، ص ۷۲ تا ۷۳

۱۵۰۔ مسند داری باب ۴۳ (متن رخص فی کتابۃ العلم)۔